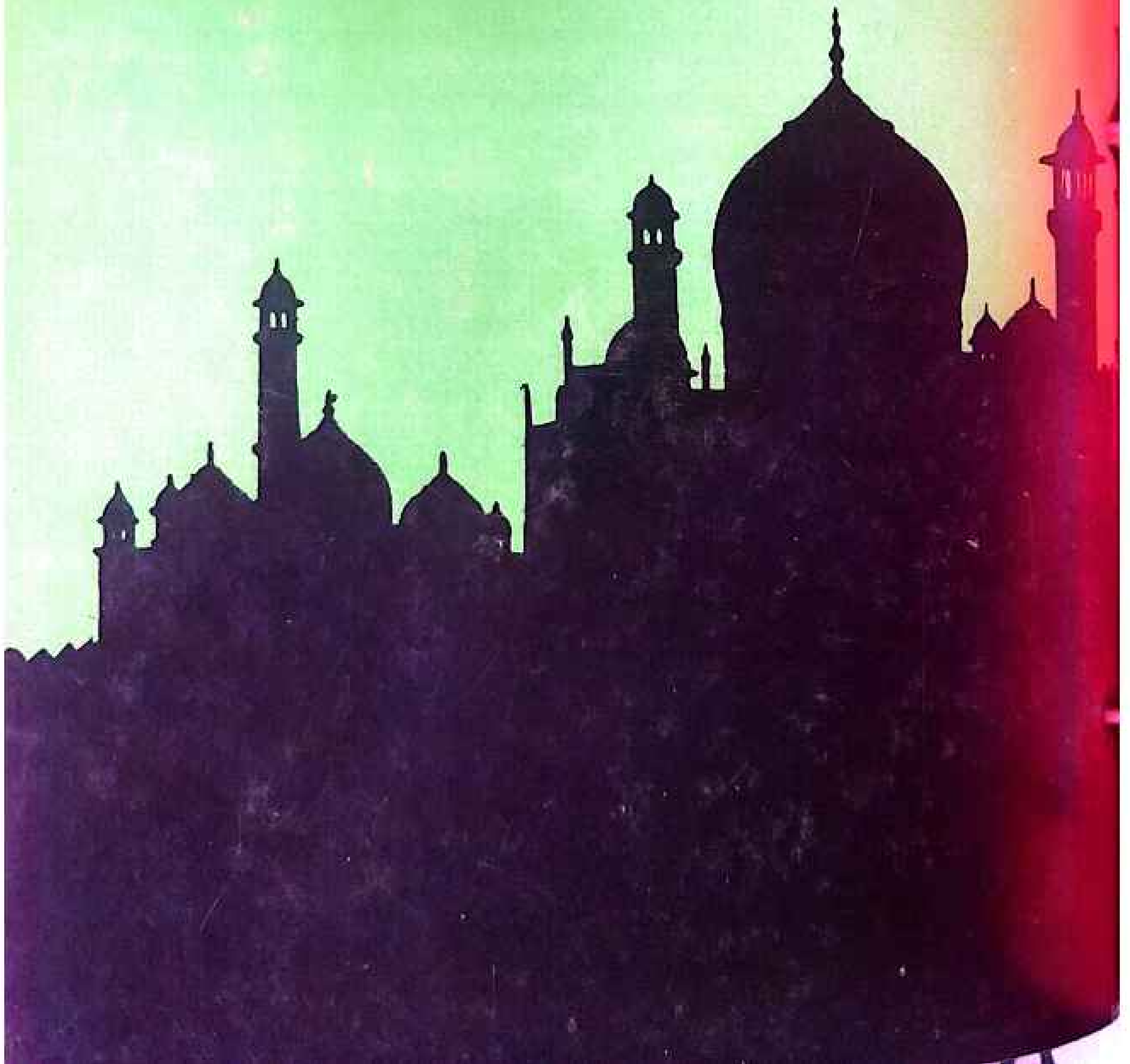
سہرورد

سلسلۂ تنویر تصوف



مقالہ نگار حضرات سے التماس

- سُہروَردمیں تصوف کے مسائل ومضامین کے علاوہ علوم قرآن وحدیث اور فلسفہ پر اسلامی نقطہ نگاہ سے مقالات شائع کئے جاتے ہیں۔
- مقالاجات ٹائپ شدہ یا خوشخط لکھے ہوتے ہوں اوران کی ضخامت بیس پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔
- حوالہ جات وحواشی ضروری تفاصیل کے ساتھ آخر میں دیئے جائیں۔
- فاؤنڈیشن کی طرف سے مقالہ نگار حضرات کی خدمت میں ۱۰ مطبوعہ نقول پیش کی جائیں گی۔
- سال بھر شائع شدہ مقالہ جات میں سے دو مقالوں کو ایوارڈ دیا جائے گا۔ جن میں سے ایک چالیس۴۰ سال سے زیادہ اور ایک چالیس۴۰ سال سے کم عمر محقق کے لئے مخصوص ہوگا۔
- علمی کتابوں پر تبصرے کے لئے مدیر "سُہروَرد" کو دو نُسخے ارسال کئے جائیں

مدیر، سُہروَرد
سُہروردیہ فاؤنڈیشن

سلسلۂ تحریر تصوف

سہرورد

سلسلہ نمبر ۹

— بیادگار —

اسوۃ الواصلین حضرت شرف الدین المعروف بابا جنگو شاہ قلندر قدس سرہٗ

حجۃ الکاملین حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ

مجدد سلسلۂ سہروردیہ حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ

زیرِ نگرانی

حضرت محمد نذیر غوری سہروردی ثم لاہوری دام برکاتہم

فہرست مطالب

قیمت = ۲۵/ روپے

سالانہ چندہ (علاوہ ڈاک خرچ) = ۱۰۰/ روپے

محل نشر : سہروردیہ فاؤنڈیشن - ۱۱۵ میکلوڈ روڈ لاہور - ۶ فون ۲۲۲۷۸۴ / ۲۲۲۵۲۲



✿ سہرورد

✿ کتابت : عبدالجبار

✿ مطبع : گرافک الیون

✿ صفحہ بندی : جاوید حیدر سہروردی

✿ خوشنویسی عنوان سہرورد : سید اویس علی سہروردی

✿ خوشنویسی فہرست مطالب : ہاشم الاعظمی (فیضان پرویں)

✿ محل نشر : سہروردیہ فاؤنڈیشن۔ 115 میکلوڈ روڈ لاہور۔6

☎ - ۲۲۲۷۸۴ / ۲۲۲۵۲۲

مہر و ماہ : اکتوبر ۱۹۸۹ء ۔ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

گفتگو

بسمه تعالی

کتابخانه سهروردیه کی تعمیر و توسیع کیوجه سے سهرورد کی اشاعتِ نهم آپ کے ہاتھوں میں دیر سے پہنچ رہی ہے اس کا ہمیں افسوس ہے. کتابخانه اب ایک [illegible] سے ہال میں‌منتقل ہو جائے گا جو اس کی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے تعمیر کیا گیا ہے.

شماره دهم «یاد نامه سعدی شیرازی» کے لئے مخصوص ہے اسلئے مقاله نِگار حضرات اپنے مقالات یکم دسمبر تک روانه فرمادیں تاکه جنوری ۹۰ء میں یه خاص اشاعت منظرِعام پر آسکے. یاد نامه سعدی کی طرح سهرورد کا تیرهواں شماره «یاد نامه شیخ الشیوخ» کے لئے مخصوص کیا گیا ہے. اس شمارے میں حضرت شیخ الشیوخ قدس سره کے دو فتوت ناموں کےعلاوه آپ کی تصنیف رشف النصائح کے ایک باب کے اردو ترجمے کی اولین اشاعت بھی شامل ہوگی. امید ہے مقاله نگار حضرات اس خصوصی اشاعت کے لئے بھی اپنے مقالات روانه فرمائیں گے.

الله ولی و غنی کے فضل و کرم کامحتاج

اویس سهروردی

یاد نامۂ

حضرت سعدی

شیرازی سهروردی (رح)

"سهرورد" کی اشاعتِ دهم

"یاد نامۂ سعدی" کے لئے مخصوص ھے۔

مقاله نگار حضرات سے گزارش ھے

که وه اپنے مقالات

یکم دسمبر ۱۹۸۹ء تك روانه کر دیں۔

مدیر "سهرورد"

سید محبوب حسن واسطی
کراچی

حضرت شیخ الشیوخ رحؒ اور "عوارف المعارف"

امام سلسلۂ سہروردیہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی رحمۃ اللہ (۵۳۹ھ تا ۶۳۲ھ) کے متعلق حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے "نفحات الانس" میں حضرت امام یافعیؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:۔

"استادِ زمانہ فرید اوانہ مطلع الانوار و منبع الاسرار دلیل الطریقہ و ترجمان الحقیقہ، استاد الشیوخ الاکابر الجامع بین علمی الباطن والظاہر و قدوۃ العارفین عمدۃ السالکین العالم الربانی شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد البکری السہروردی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ۔ (۱)

آپ استادِ وقت تھے اور یکتائے روزگار، انوار و برکات کے جائے طلوع اور اسرار و رموز کا منبع، طریقت کا نشان اور حقیقت کے ترجمان، اکابر شیوخ کے استاد اور علم باطن و علم ظاہر دونوں کے جامع، عارفین باللہ کے راہنما اور سالکانِ طریقت کے رہبر، عالمِ ربّانی حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد البکری السہروردی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ)

اور فرمایا کہ آپ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ تصوف میں اپنے چچا حضرت شیخ ابو النجیب سہروردیؒ (۵۶۱ھ / ۱۱۶۶م) سے نسبت حاصل کی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (۵۶۱ھ / ۱۱۶۹م) سے بھی فیض حاصل کیا۔ بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ

جزیرہ عبادان میں آپ ایک مدت تک اس دور کے بعض ابدال کے ساتھ بھی رہے ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام سے بھی ملاقات رہی ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا۔

اَنْتَ آخِرُ الْمَشْهُوْرِيْنَ بِالْعِرَاقِ ۔

(اے عمر! تم مشاہیر عراق کے آخر ہو۔ (۲)

آپ ایران کے صوبہ جبال میں بہ مقام سہرورد، رجب المرجب ۵۲۹ھ/۱۱۴۵ء میں پیدا ہوتے اور ۹۳ سال عمر پاکر بغداد شریف میں محرم الحرام ۶۳۲ھ/۱۲۳۸ء کو انتقال فرمایا۔ (۳) محرم الحرام کے اوائل میں پوری دنیا میں آپ کا عرس مبارک منایا جاتا ہے۔

آپ بغداد شریف میں اپنے وقت کے شیخ الشیوخ تھے اور دور دور بلاد اسلامیہ سے لوگ آپ کے پاس مختلف مسائل کے استفتاء، اور حل کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔ کثیر مخلوق کو آپ سے فائدہ پہنچا اور اپنے متعدد خلفاء و متوسلین چھوڑے، جن میں شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق والدین زکریا ملتانیؒ، فخر صوفی شعراء حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ اور حضرت شیخ حمیدالدین ناگوریؒ جیسی عظیم ہستیاں بھی تھیں۔ حضرت مولانا جامیؒ نفحات میں فرماتے ہیں،۔

كَتَبَ اِلَيْهِ بَعْضُهُمْ يَا سَيِّدِيْ اِنْ تَرَكْتُ الْعَمَلَ اَخْلَدْتُ اِلَى الْبَطَالَةِ وَاِنْ عَمِلْتُ دَخَلَنِي الْعُجْبُ فَكَتَبَ فِيْ جَوَابِهٖ اِعْمَلْ وَاسْتَغْفِرِ اللهَ مِنَ الْعُجْبِ ۔

کسی نے آپ کو اپنی یہ مشکل لکھی کہ یا سیدی، میں اگر عمل چھوڑ دوں تو بیکار محض اور نکما ہو جاتا ہوں اور اگر عمل کرنا شروع کردوں تو مجھ میں عجب و تکبر پیدا ہو جاتا ہے تو آخر کیا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ عمل کر اور تکبر کے لئے اللہ سے معافی مانگ)

رسالہ اقبالیہ میں حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہؒ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ سعد الدین حمویؒ کے پاس لوگ پہنچے اور پوچھا۔ آپ نے حضرت شیخ محی الدین بن العربیؒ کو کیسا پایا۔ آپ نے جواب دیا۔

بَحرٌ مَوّاجٌ لا نِہایَۃَ لَہٗ

(ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، جس کی کوئی انتہا نہیں)

پھر لوگوں نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے متعلق دریافت کیا کہ انہیں کیسا پایا تو فرمایا:-

نُورُ مُتابَعَۃِ النَّبِی صلی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلّم فِی جبین السُّہرَوردِی (۴)

(کہ میں نے شیخ سہروردیؒ کی پیشانی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نور دیکھا)

حضرت شیخ ابن النجارؒ فرماتے ہیں:-

انتھت اِلَیہِ الرِّیَاسَۃُ فی تربیتہ المریدین وَدعاءِ الخلق الی اللّٰہ (۵)

(کہ مریدین کی تربیت اور دعوت الی اللہ میں سرداری حضرت شیخ سہروردیؒ پر ختم ہوتی)

ابن خلکان آپ کے متعلق لکھتے ہیں:-

لَمْ یَکُنْ فِیْ آخِرِ عُمرِہٖ فِی عَصْرِہٖ مِثْلُہٗ وَکَانَ شَیْخَ الشُّیُوخِ فِی بَغداد .... وَکَانَ لَہٗ مَجْلِسُ وَعظٍ وَعَلٰی وَعظِہٖ قَبُولٌ کَثِیرٌ وَلَہٗ نَفَسٌ مُبارَکٌ ...... (۶)

(کہ آپ کی آخری عمر میں اس دور میں آپ جیسا کوئی دوسرا نہ تھا۔ آپ بغداد شریف کے شیخ الشیوخ تھے۔ آپ کی مجلسِ وعظ کو عوام میں بڑی مقبولیت حاصل تھی اور آپ کے انفاس مبارکہ کا بڑا فیض تھا)

حضرت شیخ الشیوخؒ نے کئی بار حج کیا۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ جاتے ہوئے مصر کے مشہور صوفی شاعر ابن الفارض سے آپ کی ملاقات ہوئی اور اسی موقعہ پر ابن الفارض کے دونوں بیٹوں نے آپ سے خرقہ حاصل کیا۔ بغداد شریف میں کثیر مخلوق کے علاوہ خلیفہ الناصر نے بھی آپ سے بہت فیض حاصل کیا۔ یہیں قیام کے دوران حضرت شیخ سعدیؒ نے بھی آپ کے سامنے

زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اسی مقبولیتِ عامہ کے باعث آپ صدر الصُّوفیہ کے مرتبہ تک پہنچے۔ (۶)

تصانیف

مخلوقِ خدا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آپ نے قلم کا ذریعہ بھی استعمال فرمایا اور بعض ایسی کتب چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک مشتاقانِ تزکیۂ نفوس کے لئے مینارۂ روشنی کا کام دیتی رہیں گی۔

صاحب تذکرۃ المصنفین نے تصوّف پر آپ کی اکیس ۲۱ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (۷) جن میں بعض طبع ہو چکی ہیں اور بعض دنیا کے کچھ کتب خانوں میں مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے نفحات الانس میں آپ کی تین کتابوں کا ذکر کیا ہے ۔۔ (ایک) عوارف المعارف (دوسری) رشف النصائح الایمانیہ وکشف الفضائح الیونانیہ (تیسری) اعلام التقیٰ ۔ آپ نے رشف النصائح حضرت امام غزالیؒ کی " تہافۃ الفلاسفہ " کے طرز پر لکھی اور یونانی فلسفیوں کی تردید فرمائی ہے، لیکن جس کتاب نے آپ کو شہرت دوام عطا فرمائی اور جو آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ معرکۃ الآراء اور مقبول ہے۔ وہ " عوارف المعارف " ہے جو صدیوں سے اہلِ تصوّف کے قلوب کو گرماتی رہی ہے اور جس میں آپ نے مسائل تصوّف کو قرآن وحدیث کی روشنی میں انتہائی مدلل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے شاید اسی مدلل انداز کی بنا پر عوارف المعارف کے متعلق لکھا :۔

در تصوّف سنّی کتابے بہتر از عوارف نیست ۔ (۸)

(اہل سنّت کے تصوّف میں عوارف سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے)

حضرت شیخ الشیوخؒ نے عوارف المعارف جس مقدس ماحول میں لکھی اور دورانِ تحریر جس کمال احتیاط و تقویٰ کو ملحوظِ خاطر رکھا، اس کے متعلق حضرت مولانا جامیؒ تحریر فرماتے ہیں :

عوارف را در مکۂ مبارکہ تصنیف کردہ است ۔ ہر گاہ کہ بروے امرے مشکل شدے بخدائے تعالیٰ بازگشتے وطوافِ خانہ کردے وطلبِ توفیق کردے در دفع اشکال و دانستن آنچہ حق است۔" (۹)

(آپ نے "عوارف" کو مکہ مکرمہ میں تصنیف فرمایا۔ دورانِ تصنیف جب بھی آپ کو کوئی مشکل پیش آئی۔ آپ اللہ پاک کی طرف رجوع فرماتے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور اس مشکل کے حل اور حق بات معلوم کرنے کے لئے توفیقِ الٰہی کے طلبگار ہوتے۔")

اس کتاب کو بزرگانِ دین نے ہمیشہ اپنے قلوب کی گہرائیوں میں جگہ دی ہے اور اوائل سلوک میں سبقاً سبقاً اس کا درس لیا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے والدِ بزرگوار سے سبقاً سبقاً یہ کتاب پڑھی۔ چنانچہ شیخ طریقت حضرت مولانا زوار حسین شاہ نقشبندی مجددی رحمتہ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

> کتب تصوف مثلاً عوارف وفصوص الحکم وغیرہ (حضرت مجدد الف ثانیؒ نے) اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں اور اکثر سلاسلِ صوفیہ مثلاً چشتیہ قادریہ سہروردیہ وکبرویہ وغیرہ کی اجازت اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ (۱۰)

خصوصیات عوارف المعارف

دیگر بے شمار کتبِ تصوف کے مقابلہ میں "عوارف المعارف" اپنی مندرجہ ذیل خصوصیات کی بنا پر ایک امتیازی شان رکھتی ہے :-

i. یہ انتہائی فصیح وبلیغ عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ الہامی ہیں اور حضرت شیخ الشیوخؒ کے قلب مبارک پر ان کا القا ہو رہا ہے۔

ii. مسائلِ تصوف کو پہلے قرآنی آیات واحادیثِ رسولؐ سے ثابت کیا گیا ہے اور پھر مشائخ کبارؒ کے مختلف ارشادات سے ان کی توضیح کی گئی ہے۔

iii. حدیث شریف بیان کرتے وقت صرف متنِ حدیث پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ حضرت امام بخاریؒ حضرت امام مسلمؒ ودیگر محدثین کبارؒ کی طرح پوری سندِ حدیث بھی بیان کی ہے۔ یعنی اپنے

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہ تمام واسطے جن کے ذریعہ حضرت شیخ الشیوخ تک حدیث پہنچتی ہے، ان سب کا ذکر ہے۔ مثلاً "عوارف المعارف" کی پہلی حدیث شریف باب اوّل کے ابتداء میں ہے۔

إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا

(الحدیث)

اس کے ذکر کے وقت حضرت شیخ الشیوخ نہ صرف یہ بتاتے ہیں کہ یہ حدیث شریف انہوں نے اپنے شیخ سے شوال ۵۶۰ھ میں املاء کی بلکہ وہ اپنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو گیارہ واسطے ہیں۔ ان کا بھی ترتیب سے اس طرح ذکر فرماتے ہیں۔

(۱) شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی (۲) شیخ شریف نورالہدیٰ زینبی (۳) حضرت کریمہ بنت احمد مجاورہ مکرمہ (۴) شیخ ابوالہیثم کشمینی (۵) شیخ ابوعبداللہ فربری (۶) امام محمد بن اسماعیل بخاری (۷) شیخ ابوکریب (۸) شیخ ابواسامہ (۹) حضرت برید (۱۰) شیخ ابوبردہ (۱۱) صحابیِ رسول حضرت ابوموسیٰ اشعری۔

۷۔ کتاب کی چوتھی خصوصیت استیعاب مسائل تصوف ہے۔ یعنی حضرت شیخ الشیوخ نے اس کتاب میں تمام مسائل تصوّف پر گفتگو کی ہے اور سیر حاصل کلام کیا ہے۔

۷۔ "عوارف کی پانچویں خصوصیت اس کی تاریخی اہمیت ہے کہ اس میں چھٹی اور ساتویں ہجری کی خانقاہی زندگی کا حسین عکس موجود ہے، یعنی درویشوں کی ان خانقاہوں میں داخلہ کا مخصوص طریقہ، اہالیانِ خانقاہ کے آداب، ان میں باہم مودّت و محبّت ان کی للّٰہیت اور ان کا اخلاص، ان کا طریقہ ذکر اور قناعت پسندی، اشاعت اسلام کے لئے ان کی مساعی وغیرہ کتاب میں سب کی تفصیل موجود ہے۔

مشمولات "عوارف المعارف"

"عوارف المعارف" ایک مقدمہ (خطبۃ الکتاب) اور ۶۳ ابواب پر مشتمل ہے۔ ۶۳ کے عدد میں شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف سے مطابقت مقصود ہے۔ اس عاجز راقم الحروف

کے پاس "عوارف" کا جو نسخہ ہے۔ وہ مطبوعۂ مصر ۱۹۳۹ء/۱۳۵۸ھ ہے اور اس میں عوارف کا عربی متن حاشیہ پر ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل یہ نسخہ اصل میں پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ جن میں آخری تین کے بعد دیگرے حاشیہ پر ہیں اور شروع کی دو اصل صفحات پر ہیں۔ اس طرح کہ احیاء العلوم ہر صفحہ کے اوپر کے حصہ میں ہے اور تخریجِ احادیثِ احیاء العلوم از امام عراقیؒ ایک خط کھینچ کر حاشیہ کے طور پر صفحہ کے نچلے حصہ میں ہے۔ اس طرح اس نسخہ کی پانچ کتابیں یہ ہیں :۔

(۱) "احیاء العلوم الدین" از امام غزالیؒ، (۲) المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار" از امام حدیث زین الدین عراقیؒ (۳) تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء از شیخ عیدروس با علویؒ (۴) الاملاء عن الشکالات الاحیاء از امام غزالیؒ، (۵) عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردیؒ۔ آئندہ مضمون میں جہاں صفحات کا حوالہ ہوگا۔ وہ اسی مطبوعہ مصر والے نسخہ کے اعتبار سے ہوگا۔

کتاب کا مقدمہ جسے "خطبۃ الکتاب" کا نام دیا گیا ہے۔ اس نسخہ کے جلد اول، ص ۲۰۹ تا ص ۲۲۰ پر مشتمل ہے۔ جس میں پہلے حمد باری تعالٰے ہے اور اسی ضمن میں عارفین باللہ پر اس کا خصوصی کرم اور ان عارفین کے خصائص مذکور ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ الشیوخؒ نے کتاب "عوارف المعارف" تالیف کرنے کی وجہ بیان فرمائی ہے۔ اسی ضمن میں اسی عظیم دینی خدمت پر حضرت کے انتہائی تواضع اور انکساری کے کلمات ہیں اور مقدمہ کے آخر میں ان ۶۳ ابواب کی فہرست ہے جو کتاب کے مشمولات ہیں۔ یہی چھ مذکورہ چیزیں ہیں۔ جس کا مقدمہ یا خطبۃ الکتاب میں بیان ہے۔

حمد باری تعالٰے کے سلسلے میں حضرت شیخ الشیوخؒ نے عقیدت و روحانیت سے لبریز انتہائی فصیح و بلیغ زبان استعمال کی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد اس طرح شروع فرماتے ہیں۔

اَلحَمْدُ لِلّٰہِ العَظِیْمِ شَانُہٗ ـــــ القَوِیِّ سُلطَانُہٗ الظَّاھِرِ اِحسَانُہٗ
اَلبَاھِرِ حُجَّتُہٗ وَبُرھَانُہٗ ـــــ المُحتَجِبِ بِالجَلَالِ وَالمُنفَرِدِ

بِالْكَمَالِ وَالْمُتَرَدِّيْ بِالْعَظَمَةِ فِي الْآبَادِ وَالْآزَالِ لَا يُصَوِّرُهُ وَهْمٌ وَخَيَالٌ وَلَا يَحْصُرُهُ حَدٌّ وَمِثَالٌ ......" (۱۱)

(" ساری تعریف صرف اللہ کے لئے ہے جو بڑی شان والا ہے. جس کا اختیار و اقتدار مضبوط و محکم، جس کا احسان ظاہر و باہر، جس کی دلیل و برہان واضح اور روشن، جس کا جلال مخفی و پوشیدہ، جس کا کمال منفرد و یکتا، ابد و ازل ہمیشہ جس کی عظمت حاوی اور محیط، جو پوری طرح نہ وہم و خیال میں سما سکے، نہ کوئی حد و مثال اس کا احاطہ کر سکے۔")

جہاں حمد باری تعالٰے کے اور بے شمار پہلو ہیں. ایک اہم پہلو عارفین باللہ پر اس کا خاص انعام اکرام اور احسان ہے. جس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ الشیوخ ارشاد فرماتے ہیں:

ثُمَّ أَلْبَسَ قُلُوْبَ الصَّفْوَةِ مِنْ عِبَادِهٖ مَلَابِسَ الْعِرْفَانِ وَخَصَّهُمْ مِنْ بَيْنِ عِبَادِهٖ بِخَصَائِصِ الْإِحْسَانِ فَصَارَتْ ضَمَائِرُهُمْ مِنْ مَوَاهِبِ الْأُنْسِ مَمْلُوْءَةً وَمَرَائِيْ قُلُوْبِهِمْ بِنُوْرِ الْقُدْسِ مَجْلُوَّةً وَتَهَيَّأَتْ بِقَبُوْلِ الْإِمْدَادِ الْقُدْسِيَّةِ وَاسْتَعَدَّتْ لِوُرُوْدِ الْأَنْوَارِ الْغَيْبِيَّةِ ...... (۱۲)

(" پھر اس ذات کبریائی نے اپنے مخصوص بندوں یعنی عارفین باللہ و صوفیائے کرامؒ کے قلوب کو معرفت کے لباس پہناتے اور اپنے تمام بندوں میں سے ان کو اپنے خصوصی احسان کے ساتھ نوازا. چنانچہ ان بزرگوں کے باطن محبت الٰہی سے معمور ہو گئے اور ان کے قلوب کے منوّر آئینے اس کے نور قدسی سے مجلو و روشن ہو گئے. اس طرح ان قلوب میں فیوض قدسیہ کے جذب و قبول کی صلاحیت پیدا ہو گئی اور انوار الٰہیہ کے ورود و نزول کی استعداد ہویدا و ظاہر ہو گئی")

چنانچہ ان بزرگوں نے دنیاوی لذتوں کو ترک کر کے تزکیۂ نفس اور دعوت الی الحق کا راستہ اختیار فرمایا اور مخلوق خدا کو تقویٰ و پرہیزگاری کا راستہ دکھایا. حضرت شیخ الشیوخ فرماتے ہیں:

لَا يَنْفَكُّ فِيْ كُلِّ عَصْرٍ مِنْهُمْ عَلَمًا قَائِمًا بِالْحَقِّ وَدَاعُوْنَ الْخَلْقِ ...

مَنِ اقْتَدٰی بِھِمْ اِھْتَدٰی وَمَنْ اَنْکَرَھُمْ ضَلَّ وَاعْتَدٰی (۱۳)

(ہر دور میں چنانچہ ایسے صوفیاء و عارفین ہوتے جو علماءِ حق تھے اور مخلوقِ خدا کو حق اور سچائی کی دعوت دیتے تھے۔ جو ان کی راہ پر چلا اس نے ہدایت پائی اور جو ان کا منکر ہوا گمراہ ہوا اور راہ حق سے ہٹ گیا۔)

"عوارف المعارف" کے مقدمہ میں حضرت شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سُہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے حمد باری تعالےٰ اور اسی ضمن میں عارفین باللہ اور حضرات صوفیائے کرامؒ پر اس کے خصوصی کرم اور ان صوفیائے کرامؒ کی ظاہری و باطنی خصوصیات کے بیان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان الفاظ میں درود بھیجا ہے:۔

وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَرَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْاَکْرَمِیْنَ الْاَمْجَادِ۔ (۱۴)

(کہ اللہ کے نبی و رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نازل ہو اور آپ کے آلِ اطہار و اصحابہ کرامؓ پر بھی جو صاحبِ جود و کرم اور مجد و بزرگی والے تھے)

حمد باری تعالیٰ اور درود و سلام کے بعد حضرت شیخ الشیوخؒ نے وہ تین وجوہ بیان فرمائی ہیں، جن کی بنا پر آپ کو "عوارف المعارف" لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ تین وجوہ یہ ہیں:۔

وجوہ تالیفِ کتاب

۱۔ صوفیائے کرام کی جماعت سے حضرت شیخ الشیوخؒ کی خصوصی محبت وہ پہلی اہم وجہ ہے جس نے آپ کو اس کتاب کی تالیف پر آمادہ کیا۔ اسی خصوصی محبت کے باعث آپ ان صوفیائے کرامؒ کو مقدمۃ الکتاب میں عزت و احترام کے مختلف الفاظ کے ساتھ یاد فرماتے ہیں۔ کبھی ان کے لئے فرماتے ہیں۔

اَلصَّفْوَۃُ مِنْ عِبَادِہٖ۔ (مخلوقِ خدا میں ممتاز اصحاب تزکیۂ نفوس)۔ کبھی فرماتے ہیں۔

اصحاب الفرقان (اہل معرفت). کبھی فرماتے ہیں. نفوسِ قدسیہ (پاکیزہ و مقدس اشخاص) کبھی فرماتے ہیں۔ اَصْحَابُ الْاَنْوَارِ الْعُلوِیَّہ (بلند و بالا روشنیوں والے) کبھی فرماتے ہیں۔ عُلَمَاءٌ بِالْحَقِّ (سچائی کا علم رکھنے والے) کبھی فرماتے ہیں دَاعُوْنَ لِلْخَلْقِ (مخلوق خدا کو حق کی طرف بلانے والے) کبھی فرماتے ہیں۔ قَدْوَۃُ الْمُتَّقِیْنَ (اہل تقویٰ کے رہبر و رہنما) اور حضرت شیخ الشیوخؒ نے ان صوفیائے کرامؒ کے ساتھ اپنی اس خصوصی محبت کی وجہ بھی بیان فرمائی۔ فرماتے ہیں؛

وَمُحَبَّتِیْ مَعْهُمْ عِلْمًا بِشَرَفِ حَالِهِمْ وَصِحَّةِ طَرِيْقَتِهِمْ اَلْمَبْنِيَّةِ عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الْمُحَقَّقِ بِهِمَا۔ مِنَ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ اَلْفَضْلُ وَالْمِنَّةُ ... (١٥)

(کہ ان صوفیائے کرام کی جماعت کے ساتھ میری محبت اس لئے ہے کہ ان کے احوال و اطوار شرف و بزرگی والے ہیں اور ان کا طریقہ قرآن و سنت پر مبنی اور ان دونوں مقدس طریقوں سے تحقیق شدہ اور ثابت ہے اور یہ فضل و احسان ہے۔ اللہ پاک کی جانب سے جو بڑا اکرم والا ہے۔)

پھر حضرت نے ارشاد فرمایا؛

حَدَانِیْ اَنْ اَذْهَبَ عَنْ هٰذِهِ الْعِصَابَةِ بِهٰذِهِ الصَّبَابَةِ وَاُؤَلِّفَ اَبْوَابًا فِی الْحَقَائِقِ وَالْاٰدَابِ مُعْرِبَةً عَنْ وَجْهِ الصَّوَابِ فِیْمَا اعْتَمَدُوْهُ .... (١٦)

(ان صوفیائے کرام کی محبت نے مجھے اس پر آمادہ کیا کہ اس مقدس جماعت کے ذکر کے لئے قلم اٹھاؤں اور حقائق و آداب کے بارے میں چند ابواب لکھوں جن سے ان حضرات کے افکار و اعمال کا صحیح ہونا ظاہر ہو جاتے)

ii۔ تالیف کتاب کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس دور میں متشبہین کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو صوفی کہتے ہیں لیکن درحقیقت ان میں عارفین کی خصوصیات موجود نہیں ہیں۔ صوفیائے کرامؒ سے صرف مشابہت کا سہارا لے کر یہ لوگ ان

سے اپنا قرب جماتے ہیں۔ سلف صالحینؒ کے عادات و اطوار سے ناواقف لوگ اسی بنا پر صوفیاء کرامؒ سے بدظن ہوجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ صوفی ہونا محض رسمی سی چیز ہے اور صرف نام اختیار کرنے سے انسان صوفی بن جاتا ہے۔ اس بنا پر ضروری ہوگیا کہ حقیقی صوفی اور رسمی صوفی کے فرق کو واضح کیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

حَیْثُ کَثُرَ الْمُتَشَبِّهُوْنَ وَاخْتَلَفَ اَحْوَالُهُمْ ....
وَسَبَقَ اِلٰی قَلْبِ مَنْ لَا یَعْرِفُ اُصُوْلَ سَلْفِهِمْ سُوْءُ ظَنٍّ ...
رَاجِعٌ اِلٰی مُجَرَّدِ رَسْمِهِ وَتَخَصُّصُهُمْ عَائِدٌ اِلٰی مُطْلَقِ اِسْمِهِ (۱۷)

(کہ صوفی نما لوگوں کی تعداد کافی زیادہ ہوگئی اور ان کے حالات مختلف و دگرگوں ہوگئے۔ سلف صالحینؒ کے اصول و اطوار سے ناواقف لوگ بدگمانی میں مبتلا ہوگئے کہ شاید یہ رسمی چیز ہے اور صرف نام رکھ لینا ہے۔)

iii. تالیف کتاب کی تیسری وجہ حضرت شیخ الشیوخؒ نے اس طرح بیان فرمائی:۔

وَمِمَّا حَضَرَنِیْ فِیْهِ مِنَ النِّیَّةِ اَنَّ اُکَثِّرَ سَوَادَ الْقَوْمِ بِالْاِعْتِزَاءِ اِلٰی طَرِیْقِهِمْ وَالْاِشَارَةِ اِلٰی اَقْوَالِهِمْ۔ (۱۸)

(اس میں میری ایک نیت یہ بھی تھی کہ حضرات صوفیاء کرامؒ کے ساتھ اس طرح میرا زیادہ تعلق پیدا ہوگا اور ان کے حالات و اطوار اور طریقوں کی زیادہ اشاعت ہوگی اور اس کی برکت سے میرا بھی اس مبارک جماعت میں شمار ہوجائے گا۔)

اس کے ثبوت کے لئے حضرت شیخ الشیوخؒ نے ایک حدیث بھی نقل فرمائی:۔

مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (۱۹)

(جو کسی جماعت یا طبقہ کے ساتھ زیادہ تعلق استوار کرے، وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔)

عجز و انکساری

تالیف کتاب کی یہ وجوہ بیان کرنے کے بعد حضرت شیخ الشیوخؒ نے اپنے متعلق عجز وانکساری کے کلمات ارشاد فرمائے تاکہ کسی ناسمجھ کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ اس کتاب کی تالیف کو وہ اپنا کوئی کارنامہ تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ یہ تو محض اللہ پاک کا فضل اور اس کا کرم ہے کہ اس نے میرا سینہ ان مضامین کے لئے کھول دیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں،

وَارْجُو مِنَ اللّٰهِ الْكَرِيمِ صِحَّةَ النِّيَّةِ فِيهِ وَتَخْلِيصَهَا مِنْ شَوَائِبِ النَّفْسِ وَكُلُّ مَا فَتَحَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيَّ فِيهِ مَنْحٌ مِنَ اللّٰهِ الْكَرِيمِ وَعَوَارِفُ وَاَجَلُّ الْمِنَحِ عَوَارِفُ الْمَعَارِفِ (٢٠)

(میں اپنے اللہ سے جو بڑا کریم ہے۔ اس کتاب کی تحریر میں خلوص نیت کی دعا کرتا ہوں اور یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے نفس کے دھوکوں سے محفوظ رکھے۔ اللہ پاک نے اس میں مجھے جو فتوحات نصیب فرمائی ہیں۔ وہ محض ان کا کرم اور عطا کردہ خوشبوئیں ہیں اور یہ عوارف المعارف یقیناً اس کی سب سے بڑی عنایت ہے۔)

تفصیل ابواب کتاب

اس کے بعد مقدمہ میں حضرت شیخ الشیوخؒ نے کتاب کے ۶۳ ابواب کے عنوانات کی تفصیل بیان کی ہے جو کتاب "عوارف المعارف" کے جملہ ابواب ہیں! اور جن میں تمام اہم مسائل تصوف سے بحث کی گئی ہے۔ ان ابواب کے عنوانات کی تفصیل اس طرح ہے۔

باب۔ ١، فی ذکر منشاء علوم الصوفیۃ (علوم صوفیہ کی ابتداء کا ذکر اور اس کا اصل و منبع)، باب ٢۔ فی تخصیص الصوفیۃ بحسن الاستماع (حضرات صوفیاء کرامؒ کی تخصیص کا ذکر کہ ان کے ارشادات کو غور اور ادب سے سنا جاتے)، باب ٣۔ فی بیان فضیلۃ علوم الصوفیۃ والاشارۃ الی انموذج منھا (علوم صوفیہ کی

کی فضیلت کا بیان اور مثالوں اور نمونوں سے اس کے وضاحتی اشاروں کا ذکر)، باب ۴۔ فی شرح حال الصوفیہ واختلاف طریقھم (صوفیاء کرامؒ کے حالات کی توضیح اور ان کے مختلف طریقوں کا ذکر)، باب ۵۔ فی ماھیتہ التصوف (تصوف کی ماہیت وحقیقت اور اس کی تعریف)، باب ۶۔ فی ذکر تسمیتھم بھذا الاسم (اس نام کے ساتھ صوفیاء کرامؒ کو پکارے جانے کا ذکر)، باب ۷۔ فی ذکر المتصوف والمتشبہ بہ (متصوف اور صوفیا کرامؒ کے ساتھ مشابہت پسند کرنے والے کا ذکر)، باب ۸۔ فی ذکر الملامتی وشرح حالہ (ملامتی کا ذکر اور اس کے حالات کی تشریح)، باب ۹۔ فی من انتمیٰ إلی الصوفیۃ ولیس منھم (اس شخص کا بیان جو اپنے آپ کو صوفیاء کرامؒ کی طرف منسوب کرے لیکن وہ درحقیقت صوفی نہ ہو)، باب ۱۰۔ فی شرح رتبۃ المشیخۃ (شیخت و درویشی کے مرتبہ کی تشریح)، باب ۱۱۔ فی شرح حال الخادم ومن یتشبہ بہ (خادم کے حال کی تشریح اور جو خادم سے مشابہت رکھتا ہو)، باب ۱۲۔ فی شرح خرقۃ الصوفیۃ (صوفیاء کرام کے خرقہ کی تشریح)، باب ۱۳۔ فی فضیلۃ سکان الرباط (اہل خانقاہ کی فضیلت کا بیان)، باب ۱۴۔ فی مشابھۃ اھل الرباط باھل الصفہ (اہل خانقاہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اصحاب صفہ کے ساتھ مشابہت)، باب ۱۵۔ فی خصائص اھل الرباط والصوفیۃ فیما تیھا دونہ ویختصون بہ (اہل خانقاہ اور حضرات صوفیا کی وہ خصوصیات، جو ان میں عام تھیں اور جن سے وہ پہچانے جاتے تھے)، باب ۱۶۔ فی ذکر اختلاف احوال مشائخھم فی السفر والمقام (سفر وحضر میں حضرات مشائخ کرامؒ کے مختلف احوال کا بیان)، باب ۱۷۔ فیما یحتاج الیہ الصوفی فی سفرہ من الفرائض والفضائل (حالت سفر میں ایک صوفی کو جن فرائض اور فضائل ومستحبات کی ضرورت ہوتی ہے)، باب ۱۸۔ فی القدوم من السفر ودخول الرباط والادب فیہ (ایک صوفی کی سفر سے واپسی کا بیان اور خانقاہ میں داخلہ اور اس کے آداب کا بیان)، باب ۱۹۔ فی حال الصوفی

المتسبّب (ایسے صوفی کا بیان، جو دنیاوی اسباب بھی اختیار کرتا ہے)، باب ۲۰۔ فی ذکر من یاکل من الفتوح (ایسے صوفی کا بیان، جسے فتوح کے ذریعے رزق ملتا ہے)۔۔۔ باب ۲۱۔ فی شرحِ حال المتجرّد والمتأھل من الصوفیہ وصحۃ مقاصدھم (ایسے صوفی کا بیان جو مجرد وغیر شادی شدہ ہے اور ان صوفیاء کا ذکر جو عائلی زندگی گزارتے ہیں اور ان کے مقاصد صحیح ہونے کا ذکر۔)، باب ۲۲۔ فی القول فی السّماع (ان صوفیاءؒ کے اقوال کا بیان، جو سماع کے قائل ہیں اور اسے اختیار کرتے ہیں۔)، باب ۲۳۔ فی القول فی السّماع ردّاً وانکاراً (ان صوفیاء کے اقوال کا بیان، جو سماع کے خلاف اور اس کے منکر ہیں۔)، باب ۲۴۔ فی القول فی السّماع ترفعًا واستغناءً (ان صوفیاء کے اقوال کا بیان، جو اعلیٰ درجات پر فائز ہونے کے باعث سماع سے بے نیاز ہیں)، باب ۲۵۔ فی القول فی السّماع تادُّباً واعتناءً (ان صوفیاء کے اقوال کا بیان جن کے لئے سماع موجب وجد و تحریک ہے۔)، باب ۲۶۔ فی خاصیۃ الاربعینہ التی یتعاھدھا الصوفیۃ (چلہ کشی کی خصوصی تاثیر کے بیان میں، جو صوفیۂ کرامؒ کا عام معمول ہے)، باب ۲۷۔ فی ذکر فتوح الاربعینیۃ (ان فتوح و برکات کے بیان میں جو ایک صوفی کو چلہ کشی کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہیں۔)، باب ۲۸۔ فی کیفیۃ الدخول فی الاربعینیۃ۔ (چلہ کشی شروع کرنے کی کیفیت اور اس کے آداب کا بیان۔)، باب ۲۹۔ فی اخلاق الصوفیہ (صوفیاء کرامؒ کے اخلاق و عادات کا بیان)، باب ۳۰۔ فی تفاصیل اخلاق الصوفیہ (صوفیہ کے اخلاق کا تفصیلی بیان۔)، باب ۳۱۔ فی ذکر الادب ومکانہ من التصوف (ادب کی اہمیت کا ذکر اور تصوف میں اس کا مقام)، باب ۳۲۔ فی آداب الحضرۃ الالٰھیۃ لاھل القرب (مقربین بارگاہ کے لئے الٰہی حضوری کے آداب کا بیان)، باب ۳۳۔ فی آداب الطھارۃ ومقدماتھا (طہارت و پاکیزگی اور اس کے مقدمات کے آداب کا بیان)، باب ۳۴۔ فی آداب الوضوء واسرارہٖ (وضو کے آداب اور اس کے اسرار و رموز کا بیان اور وضو کی ۱۳ سنتوں کا ذکر)، باب ۳۵۔ فی آداب اھل الخصوص والصوفیۃ فی الوضوء (وہ آداب جنہیں مقربین و صوفیاء وضو کرتے وقت

ملحوظ خاطر رکھتے ہیں)' باب ۳۶۔ فی فضیلۃ الصلوٰۃ وکبر شانھا (نماز کی فضیلت اور اس کی عظمتِ شان کا بیان)' باب ۳۷۔ فی وصف صلوٰۃ اھل القرب (مقربین بارگاہ کی نماز کی کیفیت کا بیان)' باب ۳۸۔ فی ذکر آداب الصلوٰۃ و اسرارھا (آداب نماز کا بیان اور اس کے اسرار و رموز کا ذکر)' باب ۳۹۔ فی فضل الصوم وحسن اثرہٖ (روزہ کی فضیلت کا بیان اور اس کے اچھے اثرات کا ذکر) باب ۴۰۔ فی اختلافِ احوال الصوفیۃ بالصوم والافطار (حضرات صوفیاء کرام کے نفلی روزے رکھنے اور نہ رکھنے کے بارے میں مختلف حالات کا بیان)' باب ۴۱۔ فی آداب الصوم ومھامہٖ (روزہ کے آداب کا ذکر اور اس سلسلے کے اہم اور قابل لحاظ امور کا بیان)' باب ۴۲۔ فِی ذکر الطعام و مَافیہ مِنَ المصلحۃ والمفسدۃ۔ (کھانا کھانے کا بیان اور اس سلسلہ کی خوبیوں اور خرابیوں کا ذکر)' باب ۴۳۔ فی آداب الاکل (کھانا کھانے کے آداب کا بیان)' باب ۴۴۔ فی ذکر ادبھم فی اللباس ونیاتھم ومقاصدھم فیہ (صوفیاء کرامؒ کے لباس پہننے کے آداب کا بیان اور اس سلسلے میں ان کی نیّت اور مقاصد کا ذکر۔)' باب ۴۵۔ فی ذکر فضل قیام اللیل (شب بیداری کی فضیلت کا بیان)' باب ۴۶۔ فی ذکر الاسباب المعینیۃ علیٰ قیام اللیل وادب النوم (ان اسباب کا بیان جو شب بیداری میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اور سونے کے آداب کا ذکر)' باب ۴۷۔ فی ادب الانتباہ من النوم والعمل باللیل (نیند سے بیدار ہونے کے آداب کا بیان اور رات کے عمل کا ذکر)' باب ۴۸۔ فی تقسیم قیام اللیل (اس کا بیان کہ رات کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا جائے۔)' باب ۴۹۔ فی استقبال النھار والادب فیہ والعمل (دن نکلنے کے استقبال کا بیان اور ان آداب و اعمال کا ذکر جو اس وقت بجالانے چاہئیں)' باب ۵۰۔ فی ذکر العمل فی جمیع النھار وتوزیع الاوقات (تمام دن کے اعمال کا ذکر اور دن کے اوقات کی تقسیم کا بیان)' باب ۵۱۔ فی آداب المرید مع الشیخ (ان آداب کا بیان' جو ایک مرید کو اپنے پیر و مرشد کے ساتھ ملحوظ خاطر

رہنا چاہئیں)، باب ۵۲۔ فی آداب الشیخ وما یعتمدہٗ مع الاصحاب و التلامذۃ (ان آداب کے بیان میں جو پیر و مرشد اور اس کے خواص کو مریدین اور شاگردوں کے ساتھ برتنے چاہئیں۔)، باب ۵۳۔ فی حقیقۃ الصحبۃ وما فیھا من الخیر والشر (صحبت کی حقیقت کا بیان اور اس کے اچھے اور بُرے پہلوؤں کا ذکر) باب ۵۴۔ فی اداء حقوق الصحبۃ والاخوۃ فی اللہ تعالیٰ (ایسی صحبت و ہم نشینی اور بھائی چارہ، جس کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو، اس کے حقوق ادا کرنے کا بیان) باب ۵۵ فی آداب الصحبۃ والاخوۃ (صحبت و بھائی چارہ کے آداب کا بیان)، باب ۵۶۔ فی معرفۃ الانسان نفسہٗ ومکاشفات الصوفیۃ من ذلک (انسان کے اپنے نفس کی معرفت کا بیان اور اس سلسلے میں صوفیاء کرام کے مکاشفے)، باب ۵۷ فی معرفۃ الخواطر وتفصیلھا وتمییزھا (وارداتِ قلب کی شناخت، ان کی تفصیل اور ان میں باہم فرق معلوم کرنے کا بیان)، باب ۵۸۔ فی شرح الحال والمقام والفرق بینھما (حال اور مقام کی تشریح اور ان کے باہمی فرق کا بیان)، باب ۵۹ فی الاشارات الی المقامات علی الاختصار والایجاز (صوفیاء کرامؒ جن مقامات پر فائز ہوتے ہیں، ان کی طرف مختصر اشارے)، باب ۶۰۔ فی ذکر اشارات المشائخ فی المقامات علی الترتیب (مشائخ کرامؒ کے ان مقامات کی ترتیب کے بارے میں ارشادات اور اشارے)، باب ۶۱۔ فی ذکر الاحوال وشرحھا (صوفیاء کرام کے احوال کا ذکر اور اس کی تشریح)، باب ۶۲۔ فی شرح کلمات مشیرۃ الی بعض الاحوال فی اصطلاح الصوفیۃ (ان کلمات کی تشریح، جو اصطلاح صوفیا میں صوفیا کرامؒ کے بعض احوال کی طرف نشاندہی کرتے ہیں)، باب ۶۳۔ فی ذکر شیءٍ من البدایات والنھایات وصحتھا۔ (کچھ ابتدائی اور کچھ آخری وانتہائی چیزوں کا ذکر اور ان کے صحیح ہونے کا بیان۔)۔ (۲۰)

حوالہ وحواشی

۱۔ "نفحات الانس" از مولانا عبدالرحمن جامیؒ (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۵ھ، ص ۳۲۸)

۲۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، مطبوعہ دانش گاہِ پنجاب۔ لاہور۔ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، ج۔۱۱، ص ۹۶۹، ۴۶۹ مقالہ نگار۔ S. VANDEN BERGH

۳۔ نفحات الانس، از مولانا جامیؒ، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۵ھ، ص ۳۲۸۔

۴۔ مرآۃ الجنان، از امام یافعیؒ، ج۔۴، ص ۸۱۔

۵۔ وفیات الاعیان" از ابن خلکان النہضۃ اعصریۃ، ج۔۳، ص ۱۲۰۔ ۱۱۹۔

۶۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ لاہور۔

۷۔ تذکرۃ المصنفین، ص ۳۲۱/۳۲۱ "ہمارے اسلاف" از عبدالقیوم ندوی مطبوعہ کراچی ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء، ص ۱۹۹۔

۸۔ تقصار جیود الاحرار، از نواب صدیق حسن خاں، ص ۶۳۔

۹۔ نفحات الانس، از مولانا جامیؒ، ص ۳۲۸۔

۱۰۔ عمدۃ السلوک، از شیخ طریقت مولانا زوار حسین شاہ نقشبندی مجددیؒ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء، حصّہ دوم، ص ۱۶۵۔

۱۱۔ "عوارف المعارف" مطبوعہ مصر برحاشیہ ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء ج۔۱، ص ۲۰۹۔

۱۲۔ ایضاً، ج۔۱، ص ۲۱۰۔

۱۳۔ ایضاً " ص ۲۱۲۔

۱۴۔ عوارف المعارف از شیخ الشیوخ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء، ج۔۱، ص ۲۱۲۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۱۳۔

۱۶۔ ایضاً ص ۲۱۳

۱۷۔ ایضاً ص ۲۱۳

۱۸۔ ایضاً ص ۲۱۳

۱۹۔ ایضاً ص ۲۱۴

۲۰۔ ایضاً ص ۲۱۴

۲۱۔ ایضاً ص ۲۱۴ تا ص ۲۱۹۔

کتابخانۂ سہروردیہ

تعارف

سہروردیہ فاؤنڈیشن کے زیرِ انتظام "کتابخانۂ سہروردیہ" کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ جس کی امتیازی حیثت یہ ہو گی کہ

ا۔ اس میں تصوفِ اسلامی اور طریقتِ سہروردیہ سے متعلق کُتب، رسائل اور مخطوطات کو خصوصاً جگہ دی جائے گی۔ تا کہ اِن ھر دو موضوعات پر تحقیق کرنے والے محققین کو ایک جگہ مواد مہیا کیا جا سکے۔

ب۔ **بصری شعبہ** اس شعبہ میں مندرجہ بالا موضوعات پر آڈیو، وڈیو کیسٹ کی تیاری شامل ہے۔ تیار شدہ کیسٹ کتابخانہ میں سنے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ انہیں گھر بھی منگوا سکتے ہیں۔(تفصیلات کے لیے خط لکھیے)

ج ۔ سلسلہ سہروردیہ پر تحقیق کرنے والے محقق کو تمام ضروری سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

قارئین سے التماس ہے کہ مندرجہ ذیل امور میں ہماری رہنمائی فرما کر اس علمی اور تحقیقی کارِ خیر میں حصہ دار بنیں۔

۱- مندرجہ بالا ہر دو موضوعات پر نایاب کُتب کی نشاندہی فرمائیں تا کہ اُن کی عکسی نقل کتابخانہ میں مہیا کی جا سکے۔

۲- احباب جس کتاب، مخطوطے یا مقالے کی فوٹو کاپی روانہ فرمائیں گے اُس کا تمام خرچ بمعہ ڈاک، فاؤنڈیشن برداشت کرے گی۔

مندرجہ بالا امور کے بارے میں آپ کے تعاون اور آرا کا ھمیں انتظار رہے گا۔

مدیر کتابخانۂ سہرودیہ

۱۱۵- میکلوڈ روڈ لاہور-۵۴۰۰۰

فون :-۲۲۲۷۸۳

● ابو سعادت جلیلی

کیمیائے سعادتِ غزالی

تصنیفی و ادبی عوامل کا تجزیہ

عملی و تصنیفی پس منظر

گلِ سر سبد

"کیمیائے سعادت" حجۃ الاسلام امام غزالی کی وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو فارسی زبان کے صوفیانہ ادب میں گراں مایہ قدر و قیمت کی حامل ہے۔ امام کی تصانیف میں "احیاء العلوم الدین" گل سر سبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے اس ضخیم عربی تصنیف پر مبنی فارسی زبان میں اس کی تلخیص "کیمیائے سعادت" الغزالی کی فارسی تصنیفات میں سب سے زیادہ اہمیت و امتیاز کی حامل ہے اور بقول استاد احمد آرام یہ بلند پایہ کتاب فارسی میں وہی درجہ و مقام رکھتی ہے جو عربی میں اس کی اصل ماخذ تصنیف "احیاء العلوم" کو حاصل ہے۔

"از غزالی بیش از صد کتاب و رسالۂ بزرگ و کوچک و فقہ و حدیث و کلام و اخلاق و فلسفہ و جز آں برجائی ماندہ کہ گلِ سر سبدِ آنہا در زبان عربی کتاب احیاء العلوم الدین در فارسی خلاصۂ از آں کتاب بنام کیمیائے سعادت می باشد۔" (۱)

مقبولیت کا سبب سادگی نگارش

ایران اور ایران سے باہر کی وسیع فارسی دنیا کو اس تصنیف کی غیر معمولی مقبولیت اور اس کی تاریخ ساز دینی خدمات کا پورا اعتراف ہے۔ اس کا فیض بہت ہی عام رہا ہے اور

تصوف کی کتابوں میں یہ مقبول ترین کتاب رہی ہے اور اس کے ذریعہ الغزالی کے افکار و نظریات بلکہ اسلام کی روح کو گھر گھر پہنچانے کا عظیم الشان کارنامہ انجام پایا ہے۔

اس کی مقبولیت کا سبب اس کے معنوی محاسن کے علاوہ اس کا پیرائیۂ بیان ہے جو نہ صرف سادہ اور عام فہم بلکہ دلکش و اثر آفریں اور فکر انگیز بھی ہے۔ اسی لئے اس نے ہر خاص و عام کے دل میں گھر کر لیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ کتاب تفریحی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کی ضیافت طبع کے لئے نہیں لکھی گئی تھی۔ جس کا اس زمانہ میں عام مذاق تھا، بلکہ اس کا مقصد جیسا کہ خود امام کی اصل عربی تصنیف " احیاء العلوم " کے نام سے ظاہر ہے۔ معاصر مسلم سوسائٹی میں دینی علوم اور اسی کے ساتھ دینی روح کا احیاء تھا۔ علم و اعتقاد کی صحت کے ساتھ مذہبی فرائض کی پابندی، تہذیب اخلاق و تہذیب نفس، فکر و خیال کی صفائی و پاکیزگی جیسے خشک اور اہم مباحث پر الغزالی کی بخشش نہائت دلچسپ، عام فہم اور انتہائی اثر انگیز ہیں۔ ان مطالب اور مباحث سے قطع نظر " کیمیائے سعادت " کی اثر آفرینی اور اس فیض عام کا سب سے بڑا سبب امام الغزالی کی سادہ مگر پر فکر، عام فہم مگر پر مغز، سلیس، مگر دل نشین اور متین مگر دلکش نثر ہے جو بلیغ استدلال سے مملو ہے بقول ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا:۔

" ہمہ جا با قدرتِ فکر و دقت تعبیر و قوت استدلال و تمثیلات و تشبیہات لطیف ہمراہ و ہمیشہ جذاب و دل انگیز است "۔ (۲)

غزالی ایک عہد آفریں ادیب

اس مضمون کا مقصد " کیمیائے سعادت " کے اسی گراں قدر پہلو کا مطالعہ کرنا ہے۔ امام کی فارسی تصنیفات میں " کیمیائے سعادت " کو پڑھ کر ہی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ نثر فارسی غزالی استاد جلال ھمائی کے بقول:۔

" بسیار شیوا و پختہ و سادہ و گیرا و پر مغز است "۔ (۲)

حجۃ الاسلام کے عروج و ترقی کے زمانہ سے لے کر ان کے فکری انقلاب (دینی اجتہاد

تعلیمات، تصوف، فلسفۂ اخلاق، علمی تبحر اور عام حالات زندگی پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن ان کی جامع الصفات اور بحرِ زخار ہستی کے ایک خاص پہلو یعنی امام غزالی کی انشا اور طرزِ نگارش پر زیادہ توجہ نہیں کی گئی۔

سابق شیخ الازہر مرحوم مَراغی کا قول ہے کہ جب الغزالی کا نام لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک آدمی کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ بیک وقت بہت سے اشخاص زیر بحث ہیں۔ جن میں ایک ایک فرد علم و فضل کی اقلیم کا تاجدار ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں ماہر اصولی بھی ہیں۔ آزاد و جسور فقیہہ و متکلم بھی اور عقیدہ اہل السنّت کے پرجوش حامی و ناصر بھی۔ (۴)

الغزالی کی اسی مجمع الفضائل شخصیت کا ایک مہتمم بالشان پہلو یہ بھی ہے کہ وہ عہد آفریں ادیب بھی تھے۔ چنانچہ "کتاب کیمیا" میں انھوں نے جس شیرینی و سلاست کے ساتھ دقیق ترین مسائل پر گفتگو کی ہے۔ وہ صرف قاری کی فکر و نظر ہی کو سیراب نہیں کرتی بلکہ فارسی ادب میں امام کے بلند مرتبہ اور مقام کا تعین بھی کرتی ہے۔ اس کمال کے لئے الغزالی نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کی جدت طراز طبعِ رسا نے خود ہی اس سادہ اور بلیغ اسلوب تحریر کی طرح ڈالی۔ اس اعتبار سے وہ مجتہد ہیں۔ صوفیانہ ادب میں کوئی اور فارسی تصنیف اس وصف میں اس درجہ تک نہیں پہنچ سکی۔ اس لئے الغزالی اپنے اسلوب میں یگانہ ہیں۔ امام کے پیش رو صاحب "کشف المحجوب" حضرت علی ہجویری سے لے کر متاخر دور کے صوفی شاعر و ادیب جامی تک کی صوفیانہ تصانیف کے مطالعہ سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ طرزِ ادا کی بے ساختگی و شگفتگی، استدلال اور تشریح و تفہیم امام غزالی کا خاص حصہ ہے۔

ایرانِ جدید کے ادبی مؤرخوں، ناقدوں، الغزالی کے سوانح نگاروں اور ان کی تصانیف کے جدید ایڈیشنوں کے مرتب حضرات نے زیرِ بحث موضوع کی مناسبت سے امام کے فلسفہ و نظریات کے ساتھ ساتھ ان کے عربی و فارسی طرز تحریر سے بھی بحث کی ہے۔ ان سب برگزیدہ علماء نے اپنے ملاحظات میں یہ ثابت کیا ہے کہ الغزالی کے پیرایہ بیان اور اسلوب

نگارش کی سادگی و پُرکاری اور زبان کی سلاست و دلکشی نے ان کی کتابوں کی مقبولیت اور ان کی تاثیر میں بڑی مدد دی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ادبی زبان و ادب کے اس فاضل اجل نے "کیمیائے سعادت" کو انشائے عالیہ اور نگارش جمیل کے بجائے سادہ و پراثر، عام فہم و فکر انگیز اسلوب ادا کا مرقع اس لئے بنایا کہ اس کیمیا سازی کا مقصد عامۃ المسلمین میں علوم دین کا احیا اور اس کے ذریعہ ان کی باطنی اصلاح کرنا تھا۔ جیسا کہ انھوں نے خود بھی صراحت فرمائی ہے۔

"ما اندریں کتاب جملۂ ایں چہار عنوان و چہار رکن و چہل اصل را کہ شرح کنیم برائے فارسی گویاں، و قلم نگاہداریم از عبارتِ بلند و تعلق و معنی باریک و دشوار تا فہم عوام آں را دریابد۔" (۵)

اس طرح حجۃ الاسلام نے علم دین کے دقائق اور تصوف و معرفت کے اسرار اور پیچیدہ مطالب کو بقول میرزا محمد تقی بہار (۶) "بطریق سادہ و برائے درست فہمیِ عوام" حل کر کے عالم اسلام کے لئے یہ جاں بخش نسخہ تحریر فرمایا، جو خود امام کے الفاظ میں "بحقیقت کیمیائے سعادتِ ابدیست۔" (۷)

"احیاء العلوم الدین" سے تعلق،

اس میں کوئی شک نہیں کہ "کیمیائے سعادت" عربی "احیاء" ہی سے ماخوذ اور ملخص ہے، گو خود "کتاب کیمیا" میں اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے۔ الغزالی اس کتاب کا سبب تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"آن کیمیا کہ گوہر آدمی را از خسیسیت و بہیمیت بصَفا و ملکیت رساند مقصود ازین کتاب شرح اغلاطِ این کیمیاست کہ بحقیقت کیمیائے سعادت ابدیست و این کتاب را بدین معنی کیمیائے نام کردیم۔" (۸)

اس بیان سے ان دونوں عربی و فارسی تصانیف کے باہمی رشتہ پر روشنی نہیں پڑتی، لیکن موضوع اور مضامین نیز مطالب و مباحث کی مشابہت اور یکسانیت اس کا قطعی ثبوت

ہے کہ یہ بقول ملک الشعراء بہار :

" جوہر و خلاصۂ احیاءالعلوم است ۔" (۹)

تصانیفِ غزالی کی مذہبی اہمیت

تصوفِ اسلام کے مورخ ڈاکٹر قاسم غنی کے الفاظ میں :

" حجتہ الاسلام غزالی از پر شور ترین و پر کار ترین مؤلفینِ اسلامی است ۔" (۱۰)

اور یہ حقیقت ہے کہ ان کی تمام مصنفات اپنے اپنے موضوع پر بڑی اہمیت رکھتی ہیں ۔ الغزالی کا سب سے بڑا کارنامہ تو یہی ہے کہ انھوں نے یونانی افکار و تصورات کے اصنام کو ڈھاکر پیوندِ زمین کر دیا ۔ اس کے نتیجہ میں جو کارنامہ ظاہر ہو سکتا تھا، وہ بھی ساتھ ہی وقوع پذیر ہوا، یعنی احیائے علوم دینی ۔ یہاں اس نابغۂ عصر مجتہد و مصلح کے ان عظیم دینی کارناموں کی روشنی میں اس کی چند اہم تصنیفات کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے کہ اس سے زیرِ نظر کتاب " کیمیائے سعادت " کی تصنیف کا پس منظر اور " احیائے علوم الدین " سے اس کا تعلق واضح ہو جائے گا ۔

" مقاصد الفلاسفہ " سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدیم یونانی فلسفہ سے لے کر ابن سینا اور بعد کے مسلمان فیلسوفوں اور حکماء کے مسائل ان کے پیچیدہ نکات، دقیق نظریات اور ان کی دقیق تر بحثوں کے متعلق الغزالی کا علم کس قدر پختہ، گہرا اور کامل تھا اور انہوں نے اسلامی تعلیمات و عقائد میں یونانی تصورات و افکارِ باطلہ کی آمیزش اور اس کے اثرات و نتائج کو جو الغزالی کے متعدد پیشرو اور معاصر مسلمان حکماء و فلاسفہ کا ایک " کارنامہ " سمجھا جاتا تھا، پوری طرح محسوس کر لیا تھا ۔ اس کے بعد " تہافتہ الفلاسفہ " سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم فلاسفہ کے غیر اسلامی تصورات اور اسلامی عقائد میں ان کی آمیزش کے مدلل رد میں انھیں کتنا کمال حاصل تھا اور ان غیر اسلامی اثرات کو زائل کرنے کی جو الغزالی کی ہمعصر مسلم سوسائٹی میں رائج ہو گئے تھے، کتنی زبردست صلاحیت ان میں موجود تھی ۔ بقول پروفیسر براؤن، الغزالی وہ زبردست مصلح تھے، جنھوں نے عالم اسلام سے فلسفیانہ موشگافیوں اور باطل اثرات سے مملو نئے

احمد آرام لکھتے ہیں کہ

"تقسیم بندیٔ رکن ہا و فصل ہای آن (کتابِ احیا) تقریباً مانند کیمیای سعادت می باشد۔" (۱۴)

اس کے باوجود "کیمیائے سعادت" اپنی مستقل بالذات علمی و موضوعی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم آئندہ سطور میں اس کی اہمیت اور ادبی حیثیت پر بحث کریں گے۔

کتاب کیمیا کی ترتیب ابواب

کیمیائے سعادت کی فہرست مطالب خود امام کے الفاظ میں یہ ہے :

" عنوان اوّل آنست کہ حقیقتِ خود را بشناسد، عنوان دوم آنست کہ خدائے را بشناسد، عنوانِ سوم آنست کہ حقیقتِ دنیا را بشناسد، عنوانِ چہارم آنست کہ حقیقتِ آخرت رابشناسد، و ایں چہار معرفت بحقیقت عنوان مسلمانی است، اما ارکانِ معاملہ مسلمانی نیز چہار است (یعنی کتاب کا جزوِ ثانی موسومہ کتاب ارکان مسلمانی بھی جزو اول عنوانی مسلمانی کی طرح چار تفصیلی ابواب پر مشتمل ہے) دو بظاہر تعلق دارد و دو بباطن آن دو کہ بظاہر تعلق دارد، رکن اوّل گزاردن فرمان حق است کہ آن را عبادات گویند و رکن دوم نگاہ داشتن ادب است در حرکات و سکنات و معیشت کہ آن را معاملات گویند و اما آن دو کہ بباطن تعلق دارد، رکن اوّل پاک کردن دل است از اخلاق ناپسندیدہ چوں خشم و بخل و حسد و کبر و عجب کہ ایں اخلاق را مہلکات گویند و دیگر رکن آراستن دل است باخلاق پسندیدہ چوں صبر و شکر و محبت و رجا و توکّل و آن را منجیات گویند۔" (۱۵)

اس ترتیب کی اہمیت

"کتاب کیمیا" کے ابواب و مضامین کی یہ ترتیب بجائے خود ایک خاص مقصد کی حامل ہے اور اپنے اندر ایک افادی پہلو رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ پڑھنے والا کتاب کی روح سعادتِ دارین کی

نظریات اور جدید عقائد کے بالکلیہ خاتمہ کا کارنامہ انجام دیا۔ (۱۱)

رسالہ "المنقذ من الضلال" ان کے ذہنی و فکری انقلاب کی روئداد اور دینی اجتہاد کے آغاز کی آپ بیتی ہے اور ان کے تفکر اور طریق استدلال کو واضح طور پر روشنی میں لاتی ہے۔ ایک مبصر کے الفاظ میں :۔

"بطوریکہ غزالی در رسالہ المنقذ من الضلال سیر و سلوکِ خود را در میان مذاہب و طریقہ ہائے عصرِ خود شرح می دہد چوں ہیچ طریقہ او را اقناع نکرد و انکار صرف ہم نتوانست او را راضی نگاہ دارد و لاجرم برائے آرامش خاطر بذہر و ترکِ دنیا و دخول در مسلک عرفاں و تصوف متوسل گردید۔" (۱۲)

اور "احیاء علوم الدین" اسلامی علوم اور اس کی اساسی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور دینِ حق سے عصری فلسفہ کے اثرات کو مٹاکر اور اس کی مکمل بیخ کنی کر کے مسلمانوں کے لئے صحیح اسلامی فکر اور راہ عمل متعین کرتی ہے۔

کیمیائے سعادتِ غزالی

اسی "احیاء العلوم الدین" پر مبنی "کیمیائے سعادت" فارسی میں علوم دین کا مبسوط اور مستند تذکرہ ہے جو تہذیب نفس اور تہذیب اخلاق و تہذیب فکر، گویا اصلاح باطن پر امام کے افکار و تعلیمات کا بہترین مرقع اور اپنے موضوع پر کیا بلحاظ مطالب و مباحث اور کیا بلحاظ نگارش و اسلوب عدیم المثال تصنیف ہے۔ الغزالی کے سوانح نگار جلال ہمائی نے بڑے توصیفی الفاظ میں اس اہم کتاب کی تصنیفی اور ادبی و مذہبی حیثیت کو خراج تحسین پیش کیا ہے:

"از بزرگ ترین و مہم ترین مولفات فارسی غزالی است در اخلاق و نظیر آں کتابی بفارسی در ایں موضوع نوشتہ نشدہ۔" (۱۳)

"احیاء العلوم" سے "کتاب کیمیا" کا جو تعلق ہم نے بتایا ہے۔ اس موقع پر اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ان دونوں کتابوں کے تقابلی مطالعہ سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کیمیا سے بتدریج واقفیت حاصل کر سکے اور اس کے علمی و عملی رموز کے سمجھنے کے لئے اس کے دل و دماغ کو ایک خاص ترتیب، ایک دل نشیں طرز اور موثر اسلوب کے ذریعہ تیار کیا جاوے۔

کتاب کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد " مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ " سے ہوتا ہے۔ (ہر کہ خود را شناخت پروردگارِ خود را می شناسد) جس کا سیدھا مفہوم ایک عام مسلمان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور کتاب کے بنیادی فلسفہ کی گہرائیوں تک پڑھنے والے کی ذہنی رسائی کی ضرورت نہیں۔ پہلے وہ عَرَفَ نَفْسَہٗ سے ابتدا کرے گا اور تشریحی فصول کے بعد جب " شناختنِ نفسِ خویش " کے اصول سمجھ جائے گا تو " شناختن حق تعالےٰ " کی منزل خود بخود آ جائے گی۔ پھر عَرَفَ رَبَّہٗ یا شناختنِ حق تعالےٰ کی منزلیں طے کر لینے کے بعد باری تعالےٰ سے عملی طور پر وابستہ کرنے کے لئے ارکانِ اسلام کی تعلیم شروع ہو گی۔ چنانچہ امام صاحب "کیمیائے سعادتِ ابدی" کے علمی رموز و اسرار کی عقدہ کشائی کرنے کے بعد اس کی عملی پہلوؤں سے آشنا کرانے سے پہلے ارشاد فرماتے ہیں۔

> " چوں از معرفتِ عنوانِ مسلمانی فارغ شدی و خود را بدانستی و حقِ تعالےٰ را بشناختی و دنیا و آخرت را بدانستی، بارکان معاملتِ مسلمانی مشنول باید شد چہ ازاں جملہ معلوم شد کہ سعادت آدمی در شناختِ حق تعالےٰ است و در بندگیٔ وے۔" ص ۱۰۶ (۱۷)

" کیمیائے سعادتِ ابدی " کی حجۃ الاسلام نے جو تشریح فرمائی ہے۔ اس کے مطابق انسان کی سعادت کا علمی پہلو شناختِ حق تعالےٰ میں مضمر ہے اور عملی رمز بندگیٔ وے کے الفاظ میں:۔

" کیمیائے الغزالی " کی اسی مفید و متوازن ترتیب کے بارہ میں ایرانی ادبیات کے مورخ ڈاکٹر صفا لکھتے ہیں:۔

" غزالی ایں عنوان ہا و رکن ہا بدان نظر ترتیب داد کہ کیمیائے سعادت را بدست

خوانندہ دہد تا او بیاری آن کیمیا خود را از صفاتِ نقص پاک و برہنہ کند و بصفاتِ کمال آراستہ شود، از ہمہ چیز ہا گسستہ گردد و خود را بتمامی بخدائے دہد، و درا خرد و نا چیز شود۔" (۱۸)

اس ترتیب کی وجہ سے پڑھنے والے کو موضوعات کو دقائق اور باریکیوں کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے کیونکہ یہ خواص کے لئے نہیں عوام کے لئے لکھی گئی۔

مقصودِ کتاب عوام خلقند

امام غزالی کا اصل کارنامہ، جس نے ابو حامد محمد بن محمد غزالی کو حجۃ الاسلام امام الغزالی بنایا ان کی وہ انقلاب آفریں عربی تصنیفات ہیں۔ جن کے ذریعہ امام نے عقلا و حکماء اور فضلاء وغیرہ اونچے اور اعلیٰ طبقہ کے افراد کو صراطِ مستقیم پر لگایا لیکن جس کتاب سے انھوں نے عامۃ المسلمین کے دلوں میں ایمان کی حرارت پیدا کی۔ وہ ایسی سادہ فارسی میں ہے کہ جس پر عربی زبان وادب کی ہلکی پرچھائیں بھی نہیں ہے۔ اگر فردوسی نے باستان ایران کی توصیف میں ملتِ ایران کی گونگی زبان کھولی تھی، تو غزالی نے تجدیدِ دین کی راہ میں زبانِ عجم کو گویائی بخشی۔ اس پر تفصیلی گفتگو ہم بعد میں کریں گے۔ یہاں مختصراً صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کا مقصد عوام کی اصلاح تھی۔ جلال ہمای لکھتے ہیں کہ

" براستی خامۂ معجز نمائے غزالی ہنرے از خود بروز دادہ است کہ مردم دل آگاہ را بحیرت می اندازد کہ ایں مردم بزرگ با آن کہ تمام عمرش با آثار عربی سروکار داشت و پیوستہ با ایں زبان کتاب ہا ہم چوں احیاء العلوم و المستصفی می نوشت و انس و ہمیشگی بیک زبان عادۃً آن را در زبان و قلم رسوخ می دہد، باز چہ اندازہ ذوق سلیم و سلیقۂ مستقیم و چہ مایہ طبع روشن و ر سرشار در او قوت داشت کہ نثر فارسیش ہیچ وجہ تیرگی عربی نیافت۔" (۱۹)

خود امام صاحب لکھتے ہیں کہ

" مقصودِ کتاب عوام خلقند کہ ایں معنی را بپارسی التماس کردند و سخن را از حد

فہم ایشاں نتواں درگزاشتہ ۔"

غزالی کے مشاغلِ علم و فکر

الغزالی کی علمی و تدریسی مصروفیات اور مشاغلِ ذکر و فکر کا تصور کیجیے، اور پھر ان کی عربی و فارسی مصنفات اور کتاب کیمیا کو دیکھئے کہ اس علمی ماحول میں، جس میں بالعموم تحریر میں نکھار پیدا نہیں ہوتا۔ امام صاحب نے کس قدر سادہ مگر شگفتہ اسلوب تحریر کیا ہے۔

"کیمیائے سعادت" کے زمانۂ تصنیف کے بارے میں کوئی داخلی اشارہ نہیں ملتا ہے لیکن یہ کوئی بڑا حل طلب مسئلہ نہیں ہے اور جلال ہمائی کے اس بیان کی کہ

"تاریخ تالیفش میانِ سال ہای ۴۹۰۔۵۰۰ھ بعد از احیا و پیش از المنقذ و المستغفی است۔" (۱۸)

مرزا محمد تقی بہار (۱۹) اور احمد آرام (۲۰) نے بھی تائید کی ہے، یہ سنین بقول صاحب "غزالی نامہ" امام کے مشہور یازدہ سالہ سفر اور اس کے قریبی عہد کے ہیں:

"کتاب کیمیای سعادت را در اثنائے سفرِ یازدہ سالہ یا در طرف یک سال بعد از مراجعتش کہ در طوس منزوی بود تالیف کرد۔" (۲۱)

یہ وہ وقت تھا۔ جب غزالی ایک طرف تو تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی کوشش میں عزلت نشین تھے۔ عین اسی حالت میں وہ باطل افکار و تصورات سے علماء و حکماء اور عامتہ المسلمین کو نجات دلانے کے لئے لائحۂ عمل بھی مرتب فرما رہے تھے۔ ایسی اہم مشغولیتوں میں امام نے انشائے فارسی کو جو جاں بخش اور شستہ سادگی و سلاست عطا کی جو نیا اور پر اثر پیرائیہ بیان بخشا، وہ ایرانی ادبیات پر احسان عظیم ہے۔

جلال ہمائی نے الغزالی کی اس ادبی خدمت پر ان الفاظ میں نذر تحسین پیش کی ہے:

" امام غزالی در عین این کہ بزہد و فکر و خلوت و عبادت و ریاضت و اصلاحِ مذہب و فلسفہ و تصوّف و کلام اشتغال داشت، بزرگ ترین پاسبان زبان و ادبیات فارسی بود و شیوۂ نگارش را آئینی تازہ و دل پسند نمودار ساختہ سرمشق

بنام کیمیائے سعادت و نصیحۃ الملوک وغیرہ برائے نویسندگان فارسی می نوشت"۔ (۲۲)

اور ان کو بزرگ ترین پیشوائے ادب تسلیم کیا ہے:۔

" ازین رہگزر نیز خدمتے بس شگرف کمبشور خویش انجام داد کہ اگر جز ایں ہیچ ہنرے نداشت باز شایستہ بود کہ وے را بزرگ ترین پیشوائے ادب و در ردیف مردانِ نامدار و خدمت گزارانِ بزرگِ ایں مرز و بوم بشناسند"۔ (۲۳)

آدمی را ببازی و ہرزہ نیافریدہ اند

امام نے "کتاب کیمیا" کی وجہ تسمیہ بیان کرنے سے پہلے بنی آدم کے مقصد آفرینش کی جو مجمل تشریح کی ہے۔ وہ ان کے غلوئے تفکر و ادراک کی آئینہ دار اور قافیہ بندی کی پابندی کے ساتھ نہائیت موثر ہے۔ فرماتے ہیں:

" بدان کہ آدمی را ببازی و ہرزہ نیافریدہ اند بلکہ کار وے عظیم است و خطر وے بزرگ، چہ اگر وے ازلی نیست ابدیست، و چہ اگر کالبد وے خاکی و سفلی است، حقیقت روح ولی علوی و ربانی است و گوہر ولی اگرچہ در ابتداء آمیختہ و آویختہ بصفات بہیمی و سبعی و شیطانی است، چوں در بوتۂ مجاہدت نہی ازیں آمیزش و آلایش پاک گردد و شایستہ، حضرت ربوبیت شود، و از اسفل السافلین تا با علی علیین ہمہ شیب و الاکار اوست، و اسفل السافلین ولی آنست کہ در مقام بہائم و سباع و شیاطین فرود آید کہ اسیر شہوت غضب شود، و اعلیٰ علیین ولی آنست کہ بدرجۂ ملائکہ رسد۔ چنانچہ از دست شہوت و غضب خلاص یا بد و ہر دو اسیر ولی گردند و ولی پادشاہ ایشاں گردد، و چوں بدیں پادشاہی رسد، شائستہ بندگی حضرت الہیت گردد و ایں شائستگی صفت ملائکہ است و کمال درجۂ آدمی و چوں ولی را لذتِ انس بجمال حضرت الہیت حاصل شد، از مطالعۂ آں جمال یکساعت صبر نتوانند کرد نظارہ کردن در آں جمال بہشت ولی شود و آں بہشتی کہ نصیب شہوت چشم و فرج و شکم است نزدیک ولی محقر

شود۔" (ص ۲)

کتاب کیمیا کی وجہ تسمیہ

انسانی مقصودِ حیات کی تشریح کرنے کے بعد اس کے پس منظر میں کیمیائے سعادتِ دارین کی تفسیر اور اس کی روشنی میں "کتاب کیمیا" کا تعارف اس مؤثر انداز میں کراتے ہیں:۔

"و چوں گوہر آدمی در اوّل آفرینش ناقص و خسیس است، ممکن نگردد، ولی را ازیں نقصان بدرجۂ کمال رسانیدن الّا بمجاہدت و معالجت، و چناں کہ آں کیمیا کہ مس و برنج را بصفا و پاکی زر خالص رساند دشوار بود و ہر کسے نشناسد، ہم چناں آں کیمیا کہ گوہر آدمی را از خسیست و بہیمیت بصفا و نفاست ملکیت رساند تا بداں سعادت ابدی یا بدہم دشوار بود و ہر کسے نداند، و مقصود ازیں کتاب شرح اخلاط ایں کیمیاست کہ بحقیقت کیمیائے سعادت ابدی ست و ایں کتاب را بدیں معنی کیمیائے سعادت نام کردیم، و نام کیمیا بر ولی اولی ترچہ تفاوت میاں مس و زر بیش از صفرت نیست و ثمرۂ آں کیمیا کش از تنعم دنیا نیست، مدت دنیا خود چیست ؟! و تفاوت میان صفات بہائم و صفات ملائکہ چنداست کہ از اسفل السافلین تا اعلیٰ علیین، و ثمرہ ایں کیمیا سعادتِ ابدیست کہ مدت ولی را آخر نیست و انواع نعیم ولی را نہائت نیست و ہیچ کدورت را بنعیم او راہ نیست۔" (ص ۲)

اس ضخیم کتاب کے اقتباسات نقل کرنے کی اس مختصر سے مضمون میں زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ اگر ناظرین بنظر غائر کتاب کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت ان پر واضح ہو جائے گی۔ کہ الغزالی کی یہ بے نظیر تصنیف فارسی زبان کے صوفیانہ ادب میں نہ صرف اپنے مذہبی اثرات بلکہ ادبی درجہ کی حیثیت سے بھی عدیم المثال تصنیف ہے۔ "احیاء العلوم" اور "کتاب کیمیا" کی تصنیف سے ایک طرف امام صاحب نے گمراہوں کو بصیرتِ فکر اور قوتِ عمل عطا کی، دوسری طرف فلسفیانہ بحث و مناظرہ کو صحیح اسلامی فکر کی روشنی سے جلا بخشی۔ امام کے عہد آفریں اجتہاد

اور احیائے علوم الدین کی انقلاب آفریں مساعی نے مورخ جلال الدین سیوطی سے اس حقیقت کا اظہار کرایا تھا کہ اگر حضرت محمدؐ کے بعد کوئی پیغمبر ہو سکتا، تو وہ الغزالی ہوتے۔ (۲۴)

اور یہ حقیقت ہے کہ الغزالی نے مسلمانوں کے دل و دماغ سے یونانی عقائد و تصورات کے بتوں کو ڈھانے کا جو عظیم الشان کارنامہ "تہافتہ' احیاء" اور "کیمیا" کے ذریعہ انجام دیا، وہ ان کی معجزانہ خدمت اسلام ہے۔ بقول شیخ مراغی اسلام کے اس کیمیا ساز کی خدمات کے اعتراف کے لئے اس کا مشہور لقب "حجتہ الاسلام" بالکل بجا وضع کیا گیا تھا۔

کیمیائے سعادت کا علمی و ادبی منظر نامہ

ادبی و انشائی پیش منظر

ادبیات فارسی کا خوش بختانہ واقعہ

ادبیات فارسی کی تاریخ کا یہ بلاشبہ ایک انتہائی خوش بختانہ واقعہ ہے کہ وہ کتاب ـــ کیمیائے سعادت ـــ جسے حجۃ الاسلام امام الغزالی نے خالص دینی مقاصد کی تکمیل کے لئے لکھا تھا۔ فارسی ادب کی عالی قدر اور گراں مایہ تصنیف قرار پائی۔ ابوحامد محمد بن محمد غزالی اسلام کے تو کیمیا گر تھے ہی، اپنی شخصیت کے اس انقلاب آفریں پہلو کی بدولت انھوں نے فارسی لٹریچر کے لئے بھی کیمیا گری کی اور اس کے پُر از گہر خزائن میں بیش قیمت جواہرات کا اضافہ فرمایا۔

قبل ازیں تعارفی سطور میں کیمیائے سعادت کی مذہبی اور موضوعاتی اہمیت پر اجمالاً عرض کیا جا چکا ہے۔ جیسا کہ اس میں مختصراً اشارے کئے گئے ہیں۔ مضامین اور مطالب کے علاوہ کیمیائے سعادت کی اہمیت کا ایک بڑا ہی امتیازی اور نہایت ہی شان دار پہلو ہے۔ اس کا گوناگوں ادبی خصوصیات سے متصف ہونا، اور زبان و بیان کے بوقلموں محاسن سے گل بداماں ہونا، ان ہی صفات و امتیازات کی بناء پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اثر آفرینی، دل نشینی اور فکر انگیزی میں غزالی کی تحریر کا دامن بڑا وسیع ہے اور اسی تاثیر کا فیض کیمیائے سعادت کے بے نظیر قبول عام کی صورت میں کار فرما رہا ہے۔ چنانچہ پروفیسر اے۔ جے آربری نے بالکل درست کہا ہے۔ (۲۵)

GHAZALI WRITES A SIMPLE AND FLUMENT PERSIAN WELL CALCULATED TO ATTRACT THE CASUAL READER.

امام صاحب نے معرفت حق تعالیٰ سے لے کر سلوک و تصوف کے دقائق اور تہذیب نفس و آرائش اخلاق، علوم دینی کی تحصیل اور ارکان اسلام کی عملی پابندی جیسے مسائل کے تمام نکات کیمیائے سعادت میں اس سادگی، متانت، بے ساختگی، روانی اور شیرینی کے ساتھ بیان فرمائے ہیں کہ اس کی کوئی مثال نہیں۔ کتاب کیمیا کے مطالب و مباحث ایک ایسے چشمۂ فیضان سے عبارت ہیں۔ جہاں پہنچ کر تشنہ کامان خشک لب اپنی ذہنی، فکری، علمی اور قلبی پیاس بجھا سکتے ہیں لیکن ان کی انشاء و نگارش بجائے خود اس چشمۂ فیض رساں سے جاری ہونے والے ٹھنڈے میٹھے جاں بخش پانی کی وہ نہر ہے جو خطۂ زمین کے ہر گوشہ میں پہنچ کر ذہن و فکر کو سیراب کرتی ہے۔

معاصرِ غزالی فارسی ادب

پانچویں صدی ہجری (اور چھٹی صدی کے اوائل) میں فارسی میں مختلف اصناف نثر کی جو کتابیں لکھی گئیں، وہ صنف ادب میں صرف نمائندہ نہیں بلکہ اساسی طرز انشاء کی حامل ہیں۔ کم و بیش ان ہی بنیادوں پر نثر فارسی کا عالی شان خوبصورت قصر تعمیر ہوا۔ جس کی انحطاطی دور کے ادباء مصنفین نے عبارات قشنگ اور نگارش جمیل کے گل بوٹوں سے تزئین کی۔ اس زمانے کی فارسی نثر کو ادبیات فارسی کا عمدہ ترین اور عہد آفریں نمونہ قرار دیتے ہوئے صاحب "غزالی نامہ" نے کیمیائے سعادت کو اس زمرے میں بجا طور پر شامل کیا ہے:۔

"دریں قرن و قرن بعد کہ پنج سالش را درک کرد آثاری بوجود آمد کہ بی گفتگو بہترین و صحیح ترین نمونہ ہائے انشائی فصیح فارسی است مانند تاریخ بیہقی و سیاست نامۂ خواجہ نظام الملک، و کیمیائے سعادت و نصیحۃ الملوک غزالی و قابوس نامۂ عنصر المعالی و اسرار التوحید محمد بن منور و چہار مقالۂ نظامی عروضی و امثال آں ہا۔" (۲۶)

امام صاحب اور ان کے برادرِ خورد احمد غزالی کی ان رفیع مقدر اور معرکتہ الآراء ادبی خدمات کو زبردست خراج و تحسین و عقیدت پیش کرتے ہوئے ایران کے نثری ادب کے نقاد نے ادب فارسی کے اس عہد کے خاص تحفے (CONTRIBUTION) یعنی سادگی اور سلاست کا سہرا ان ہی دو افاضل کے سر باندھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ

"امام غزالی و برادرش احمد از جملہ کسانی اند کہ در نثر فارسی انقلاب انداختہ اند و بسببِ قدرتِ زیادی کہ در قوت عقلیہ داشتہ انداز آوردنِ کلمات و لغات و اصلاحات تازہ پرد انکردہ و بنیاد نثر قدیم را بطریق بسیار سادہ و برائی درست فہمیٔ عوام دگرگوں ساختہ اند۔" (۲۷)

صوفیانہ ادب کا اسلوب

امام الغزالی سے قبل ہمیں جن بزرگ صوفیا کی تصنیفات ملتی ہیں۔ وہ مذہب اور ادب میں اہم مقام کی حامل ہیں۔ فارسی زبان کے اس صوفیانہ لٹریچر کا امام صاحب سے پہلے ایک خاص طرز بن گیا تھا۔ اس طرز میں ہمیں دو عناصر نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ عامتہ المسلمین تک پہنچانے کے لئے گہرے مسائل اور دقیق نکات کو بڑے پیچیدہ انداز میں پیش کرنا اور دوسرے یہ کہ عبارت کو مخصوص قافیہ بند اور مترنم نثر کا قالب پہنانا۔ جہاں پہلا عنصر کتاب میں زیر بحث نظریاتی اور فکری و اعتقادی گتھیوں کی گرہ کشائی کرنے کی بجائے انھیں عقدۂ لاینحل بنا دیتا تو دوسرا عنصر شاعرانہ رنگ پیدا کر دیتا۔ کہاں خیالات اور افکار کی وہ ثقاہت اور کہاں زبان و بیان کی گل کاریاں۔ اس تعلق سے ہم بطور مثال امام ہجویری کی مشہور کتاب کشف المحجوب سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"شکم را گرسنہ دارید جگر را تشنہ و تن را برہنہ دارید را مگر خداوند تعالیٰ را برسید بدل، اگر تن را از گرسنگی بلا بود، دل را بداں ضیا بود، و سر را لقا بود، سر لقایا بد و جان صفایا بد و دل ضیایا بد چہ زیاں اگر تن بلایا بد کہ سیر خوردگی بس خطرے نبود کہ اگر خطرے بودے ستوراں را سیر نگردانید ندے کہ سیر خوردگی

کار ستوران است وگرسنگی علاج مرداں۔ یکے را عالم از برائے خوردن باید و یکے را خوردن برائے عبادت کردن، متقدمان از برائے آں خوردندے تا بزیستندے وشما از برائے آں می زئید تا بخورید۔" (۲۸)

واضح ہو کہ منقولہ بالا اقتباس کشف المحجوب کے ابتدائی نہیں، کافی بعد کے حصے کا ہے اس پہلو کو ذہن نشین رکھتے ہوئے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام غزالی کے پیشرو صوفیائے کرام نے اپنی مصنفات میں کس طرح کے طرز تحریر کو اظہار خیال کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

ادب میں غزالی کا اجتہاد

امام صاحب نے اس بت کو بھی ڈھایا۔ متقدم صوفیاء کی طرح ان کا مقصد محض اپنے افکار وعقائد کی تبلیغ کرنا اور عوام کو ارباب صفا کے سلوک وطریق سے آشنا کرنا نہیں تھا بلکہ تہافت فلاسفہ اور احیائے علوم دین جیسے عظیم کارنامے انھیں مقصود تھے۔ "یعنی الہٰی" فلسفوں اور ان کی تکذیب وابطلان اور پھر ساتھ ہی ساتھ علوم دین کا احیاء رقیق زبان وبیان کی موجودگی میں ناممکن ہوتا اور رنگین بیانی مضحکہ خیز ہوتی۔ اس منزل پر غزالی نے فارسی میں اپنے نظریات اور اپنی تعلیمات پیش کرنے کے لئے جو راہ چنی، وہ بے شک ایک مجتہد کی راہ تھی، یعنی سلیس و شگفتہ اور بلیغ و متین اسلوب کی راہ۔ کیمیائے سعادت کی مقبولیت اور اس کے وسیع وہمہ گیر مذہبی وادبی اثرات نے بہت ہی جلد ثابت کر دیا کہ غزالی اس معاملے میں بھی سب سے بہتر اور سب سے منفرد تھے۔

صرف یہی نہیں کہ امام صاحب نے اپنی دینی خدمات میں بھی اجتہاد کیا اور ادب میں بھی وہ مجتہد العصر تھے بلکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مجتہد موسس کی طرح وہ یگانہ اور صاحب طرز تھے۔ چنانچہ "کیمیائے سعادت" کے کافی دوررس ادبی اثرات کے باوجود دنیائے ادب اس کا ثانی تو درکنار نظیر بھی پیش نہیں کر سکی۔ اس پہلو پر آگے مختصراً عرض کیا جائے گا۔

کشف المحجوب اور کتاب کیمیا

ان تمام حقائق کو ذہن نشین رکھتے ہوئے جب ہم مرزا محمد تقی بہار کی یہ رائے پڑھتے ہیں کہ کیمیائے سعادت کے اسلوب نگارش کی بنیاد کشف المحجوب وغیرہ سے ماخوذ ہے، تو خاصی حیرت ہوتی ہے :

متقدم بزرگ عرفا کے مخصوص طرز تحریر کے بارے میں ہم اجمالاً عرض کر چکے ہیں۔ چوں کہ ملک الشعراء بہار نے بخصوصیت "کشف المحجوب" کا نام لیا ہے۔ اس لئے ہم نے اس کا ہی انتخاب پیش کیا تاکہ اس مطالعہ کے دوران صحیح طور پر یہ اندازہ ہو سکے کہ آیا امام صاحب نے پیش رو صوفیانہ ادب کے اسٹائل سے اخذ و استفادہ کیا یا نہیں۔

ایک گذشتہ عنوان کے تحت مندرجہ "کشف المحجوب" کی عبارت کتاب کے متن میں سے لی گئی ہے نہ کہ اس کے دیباچے سے۔ اب اس عبارت کی قافیہ پیمای اور سجع سازی کو "کیمیائے سعادت" کے دیباچے کے منقولۂ ذیل مضمون سے مقابلتاً ملاحظہ کیجیے جیسے کتاب کے متن کے مضمون سے مقابلے کا سوال خارج از بحث ہے کیونکہ وہ دیباچے سے بھی زیادہ سلیس اور عام فہم عبارات میں ہے۔ گو کہ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ امام غزالی نے فارسی سبک و انشاء کے لئے نہ تو ارباب صفا کی مصنّفات کو بنیاد بنایا اور نہ ہی امام ہجویری کی اس کتاب کی مسجع و مقفیٰ نثر کو نمونہ بنایا۔ کشف المحجوب کا یہ ایک مختصر اقتباس کافی نہیں لیکن بخوف طوالت اس سے یا دیگر کتب سے انتخاب پیش کرنا بھی ممکن نہیں۔ کتابیں موجود ہیں اور ہر کوئی ان سے کیمیائے سعادت کا تقابلی مطالعہ کر کے ہماری اس ناچیز رائے کو جانچ سکتا ہے کہ غزالی نے فارسی کتابوں کی تصنیف میں بھی اجتہاد کیا اور ایک ایسے منفرد اسلوب کی طرح ڈالی، جس نے کیمیائے سعادت جیسی عظیم مذہبی کتاب کو ادبی اعتبار سے عہد آفریں حیثیت عطا کی۔

البتہ کشف المحجوب کی عربی مصطلحات سے امام صاحب کے اخذ و استفادہ کے بارے میں ہم استاد آربری کی رائے نقل کرتے ہیں :

"HIS STYLE HAS THEREFORE A CERTAIN SEVERITY, AN

"IT IS NOTICEABLE THAT IN USING ARABIC TECHNICAL TERMS HE FOLOWS HUJVIRI RATHER THAN NASIR-I- KHUSRO." (۳۰)

اس کا سبب علانیہ ظاہر ہے کہ ناصر خسرو اسمٰعیلی مسلک کے صرف حامل ہی نہیں، بلکہ بہت بڑے مبلّغ تھے اور ان کی اصطلاحات کا استعمال بے حد التباس کا موجب ہوتا۔ چنانچہ غزالیؒ نے ہم مذہب صوفی بزرگ ہجویریؒ کا اتباع ضروری سمجھا۔

بقول آربری اس کے نتیجے میں آربری کی تحریر و نگارش ایک مستقل خصوصیت کی حامل ہوگی۔

IMPRESSION OF ERUDITION." (۳۱)

تاہم یہ ظاہر ہے کہ مصطلحات کے لئے کسی خاص کتاب کو پیش نظر رکھنے اور اس کے اثرات قبول کرنے سے بطور ادیب امام صاحب کی یگانہ و منفرد اور سب سے اعلیٰ شخصیت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ امام غزالی کا عربی پر تبحر مسلم الثبوت ہے۔

کیمیائے سعادت کا دیباچہ

قبل اس کے کہ کتاب کیمیا کے مہتم بالشان ادبی امتیازات کی مزید تفصیل کا مطالعہ کیا جائے اس کے دیباچے کا حمدیہ حصّہ نقل کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہم خود کتاب کا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی تصنیفی خصوصیات کا مفصل مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"شکر و سپاسِ فراواں بعدد ستارۂ آسماں و قطرۂ باراں و برگ درختاں و ریگ بیاباں و ذرہائے زمین و آسمان مر آں خدائے را کہ یگانگی صفت اوست و جلال و کبریا و عظمت و علا و مجد و بہا خاصیت اوست و از کمالِ جمالِ وے ہیچ آفریدہ آگاہ نیست و ہیچ کس را بحقیقت معرفت وے راہ نیست بلکہ اقرار دادن بعجز از حقیقت معرفت وے منتہی معرفت صدیقانست، و اعتراف آوردن بتقصیر در حمد ثنائے وے نہایتِ ثنائی فرشتگان و پیغمبران است و غایتِ عقلِ عقلا در

مبادیٔ اشراقِ جلال وے بیشتر درتست نہایۓ سیرِ سالکان و مریدان در طلب قرب بحضرتِ جمال وے دہشت است و کستی امید از اصلِ معرفت وے تعطیل است ودعوائے کمالِ معرفتِ وے از جمال تشبیہہ و تمثیل است نصیب ہمہ چشم ہا از ملاحظۂ جمالِ ذاتِ وے خیرگی است و ثمرۂ عقل ہا از نظرِ بعجاب صنع وے معرفتِ ضروری است ــــ و درود بر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ سید پیغمبر آنست و راہ نمائے و راہ بر مومنانست وامین اسرار ربوبیت است و برگزیدہ و برداشتۂ حضرتِ الٰہیت است، و بر جملۂ یاراں و اہل بیت وے کہ ہر یکے از ایشاں قدوہ امتست و پیدا کنندۂ راہ شریعت است۔" (۳۲)

کیمیائے سعادت کے مضامین کا طرزِ تحریر اس سے بھی سادہ و سلیس ہے۔ مقدمۂ کیمیا کی منقولا بالا عبارت مرصع و مقفیٰ ہونے کے باوصف خوبصورت عربی تراکیب سے خالی تو ہے مگر وہ اپنے اندر معنوی تاثیر کے ساتھ ظاہری دل آویزی بھی رکھتی ہے۔ عربی استعارات و لغات کی کمی کو اس نثر کی شاعرانہ خوبصورتی نے بکمال و تمام پورا کر دیا۔ چنانچہ آربری کے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں: (۳۳)

"IT IS BY NO MEANS LACKING IN POETIC CHARM."

بحث کے آغاز کا قابلِ فہم اور فکر انگیز طرز

کیمیائے سعادت کے ابواب کے ابتدائی مضمون کے مطالعہ سے یہ حقیقت بخوبی آشکارا ہوتی ہے کہ امام صاحب باریک و دقیق مسائل پر بھی جو کچھ فرماتے ہیں۔ وہ دل و دماغ میں جاگزیں ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب کے ابتدائی مضمون سے رجوع کی جیئے تو پتہ چلے گا کہ امام اپنی بحث کا آغاز کس قدر سادہ و دل نشیں اور عام فہم و بلیغ انداز میں کرتے ہیں:

"بداں کہ کلیدِ معرفتِ خدائے عز و جل معرفت نفسِ خویش است و برائی ایں گفتہ اند: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ در جملہ ہیچ چیز بتو از تو نزدیک تر نیست، چوں خود را نشناسی دیگرے را چوں شناسی و ہمانا کہ گوئے

"من"، خویشتن را ہمی شناسی و غلط مے کنی ! ترا حقیقت خود باید طلب کرد، تا خود چہ چیزی از کجا آمدہ و کجا خواہی رفت۔ و اندریں منزل گاہ بچہ کار آمدۂ و ترا برائے چہ آفریدہ اند۔ وسعادتِ تو چیست و درچیست وشقاوت تو چیست و درچیست و ایں صفات کہ در باطن تو جمع کردہ اند بعضی صفات مستوران و بعضی صفات ددگان و بعضی صفات دیواں و بعضی صفات فرشتگانست، تو ازیں جملہ کدامی و کدام است کہ آں حقیقت گوہر تست و دیگراں غریب عاریت اند کہ چوں ایں نا دانی سعادتِ خود طلب نتوانی کرد۔" (۳۴)

اگر خواہی کہ خود را بشناسی

عنوان مسلمانی کے اولین باب کی تمام اٹھارہ فصول میں پوری شرح و بسط کے ساتھ، سوالوں کے بصیرت افروز اور ایمان پرور جوابات تحریر فرمائے گئے ہیں۔ کچھ آگے چل کر رمایا ہے :۔

" اگر خواہی کہ خود را بشناسی بداں کہ تو را کہ آفریدہ اند۔ از دو چیز آفریدہ اند۔ یکے ایں کالبدِ ظاہر کہ آں را تن گویند و وے را بچشم ظاہر مے تواں دید، و یکے معنیٔ باطن کہ آں را نفس گویند و جان گویند و دل گویند و آں را بر بصیرت باطن تواں شناخت، و بچشم ظاہر نتواں دید و حقیقت تو اں معنی باطن است۔" (۳۵)

آدمی شریف تر و کامل تر ست از بہائم و سباع

ایک فصل میں سباع بہائم و دیواں اور آدمی کی مشترک اقدار کی تشریح کرنے کے بعد ان خات کی طرف جو بنی آدم کو ان مخلوقات سے ممیز کرتی ہیں، یوں رجوع فرماتے ہیں :۔

" گوئے کہ چوں در آدمی صفت سباع و بہائم و شیاطین و ملائکہ درست۔ بچہ دانیم کہ اصل وے گوہر فرشتگانست و دیگراں غریب اند و عارض ؟ و بچہ دانیم

کہ وے را برائے اخلاق فرشتگاں آفریدہ اند تا آں حاصل کند نہ برائے دیگر صفات؛
بداں کہ ایں بداں شناسی کہ دانی کہ آدمی شریف تر و کامل ترست از بہائم و سباع
و ہر چیزے را کمال دادہ باشند کہ آں نہائیت درجۂ وے بود وے را برائے
آں آفریدہ باشند مثال آں کہ اسپ از خر شریف ترست کہ خر را برائے
بارکشیدن آفریدہ اند و اسپ برائے دویدن در جنگ و جہاد، در زیر سوار چنانکہ
مے باید وے دود و مے پوئید؟ و وے را قوت بارکشیدن نیز دادہ اند ہم چوں
خرد کمالے زیادت نیز دادہ اند کہ خر را بدادہ اند ــــ پس آدمی را آں چہ سباع
را و بہائم را دادہ اندست و زیادت از آں، وے را کمالے دادہ اند و آں عقل
است کہ خدائے تعالےٰ را بداں بشناسد و جملہ صنع وے بداند و بداں خویشتن
از دست شہوت و غضب برہاند، و ایں صفت فرشتگان است و بدیں
صفت وے بر بہائم و سباع مستولی است و ہمہ مسخر ویند۔" (۳۶)

چوں در عجائب تن خویش نگرد و قدرتِ آفریدگارِ خویش بہ بیند

ایک دوسری فصل میں امام صاحب نہائیت بصیرت افروز انداز میں قاری پر اس کے جسم اور وجود کی اصلیت ظاہر کرتے ہوئے اس کے وجود سے حق تعالےٰ کے وجود پر اس طرح دلالت کرتے ہیں :۔

"بداں کہ در کتب پیغمبران گذشتہ معروفست ایں لفظ کہ (خداوند تعالےٰ) با انسان گفت : یا انسان اعرف نفسک تعرف ربک (اے انسان خودت را بشناس تا خدائت را بشناسی) و ایں کلمہ دلیل آنست کہ نفس آدمی چوں آئینہ است ہر کہ در وے نگرد حق را مے بیند، و بسیار خلق در خود مے نگرد و حق را نمے بیند، پس لا بد است شناختنِ آں وجہ از نظر کہ آں آئینہ معرفت است، و ایں بر دو وجہ است یکے از آں آنست کہ غامض ترست و بیشتر فہم نتوانند کردن و صواب

نبود گفتنِ آں۔ اما آں وجہ کہ ہمہ کس فہم تواند کرد آنست، فہم ہا آں احتمال نکند و عوام کہ آدمی از ذات خویش ہستی ذات حق سبحانہ وتعالےٰ بشناسد و از صفاتِ خویش صفات حق سبحانہ وتعالےٰ بشناسد۔ واز تصرف در مملکت خویش (و آں تن و اعضائی وے است) تصرف حق در جملۂ عالم بشناسد۔

شرح ایں آنست کہ چوں خود را اولاً بہستی بشناخت ادر مے داند کہ پیشتر ازیں بسالی چند نیست بود واز وے نہ نام بود نہ نشان۔ وآں چہ آدمی بداں راہ برد از اصل آفرینشِ خویش آنست کہ داند کہ پیش از ہستیٔ خویش نطفۂ بود قطرۂ آب گندہ در وے عقل نہ و سمع و بصر نہ، و سر، دست و پائے و زبان و چشم نہ، و رگ و پے و استخوان و پوست و گوشت نہ، بل آبی بود سپید یک صفت۔

پس ایں ہمہ عجائب در وے پدید آمد۔ اما وے خود را پدید آورد یا وے را کسے پدید آورد و چوں بضرورت بشناسد کہ اکنوں کہ بر درجۂ کمال است (از آفریدن یک سرِ موی عاجز ست۔" (۳۷)

داند کہ آں وقت کہ قطرۂ آب بود عاجز تر و ناقص تر بود۔ پس وے را از ہست شدنِ ذاتِ خویش ہستیٔ ذاتِ حق سبحانہ و تعالیٰ معلوم شد۔ وچوں در عجائب تن خویش نگرد از روی ظاہر و از روی باطن قدرتِ آفریدگار خویش ببیند۔" (۳۸)

کیمیائے سعادت کے اسلوب کی روانی و شگفتگی،

اوپر مختلف عنوانات کے تحت ہم نے کتاب کیمیا کے چند اہم مباحث کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اولاً ناظرینِ کرام کتاب کا ایک عمدہ انتخاب ملاحظہ کریں بعدہٗ اس کی روشنی میں اس کے خاص ادبی امتیازات کا مطالعہ کیا جائے۔ اگلی سطور میں چند نکات پر راقم علیحدہ علیحدہ گفتگو کرے گا اور پھر ایک عنوان کے تحت امام الغزالی کی علمی فضیلت کی روشنی میں تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

کیمیائے سعادت زبان و بیان کی جن خصوصیات سے گل بداماں اور جن گوناگوں ادبی محاسن سے متصف ہے ۔ ان میں بخصوصیت الغزالی کی روانیٔ گفتار اور نگارش کی شگفتگی کو اہم مقام حاصل ہے ۔ زبان کے سانچے میں ہر پیچیدہ خیال اور دقیق نکتہ ڈھلتا چلا جا رہا ہے اور اس شان شگفتگی کے ساتھ کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا پھول ہیں کہ کھلتے جا رہے ہیں ۔ ذبیح اللہ صفا کے یہ الفاظ بالکل درست ہیں کہ

" روانیٔ کلام ادبی بنہایت است وافکار او را حتیٰ در مواردی کہ دست باستدلالات می زند در نہایت آسانی بیان می کند ۔" (۳۹)

دراصل یہ کتاب کیمیا کی اتنی وسیع اور ہمہ گیر صفت ہے کہ ان اقتباسات کے مطالعہ سے تشفی نہیں ہو سکتی ۔ لہذا ناظرین پیش کردہ انتخاب کے علاوہ کتاب سے بھی رجوع فرمائیں پہلے باب کا پورا مطالعہ بھی کافی ہوگا ۔

امام صاحب کا تمثیلی طریق استدلال

مندرجہ بالا اقتباسات میں ہم نے دیکھا کہ امام صاحب نے ادائے مطلب اور تفہیم کے لئے دو بڑی عمدہ مثالیں گھوڑے اور خود انسانی جسم کی پیش کیں ۔ یہ تمثیل اس درجہ سیدھے سادے انداز میں ہے کہ ایک متوسط ذہن و فکر کا قاری بآسانی زیر بحث موضوع اور فاضل مصنف کے منشا کو سمجھ سکتا ہے ۔ یہ اس کتاب کے بوقلموں اوصاف میں سے ایک ہے اور منقولہ انتخاب میں نمایاں طور پر اجاگر ہے ۔

غزالی نے اپنا مطلب واضح کرنے کے لئے جگہ جگہ دلچسپ تمثیلی انداز گفتگو اختیار کیا ہے اور یہ بھی بذات خود امام صاحب کے اسلوب تحریر کا ایک خاص پہلو بن گیا ہے ۔ اپنے دلائل کو زیادہ سے زیادہ قابل فہم بنانے کے لئے امام جو تمثیلی طریق استدلال اختیار کرتے ہیں ، وہ نہ صرف یہ کہ ایک عام قاری پر فوری طور پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ اس کی تمثیلات بہت ہی فکر آفریں THOUGHT PROVOKING بھی ہوتی ہیں ۔ " کیمیائے سعادت " کے ایسے بیشتر مباحث اپنی تمثیلات اور امام کے طرز تفہیم کے اعتبار سے بجائے خود نادر اور عدیم المثال ہیں امام صاحب کے اس تمثیلی طریق استدلال پر ان کے نثری ادب کا ناقد یہ تبصرہ کرتا ہے کہ :-

"در آوردن تمثیل ہا برائے روشن گریٔ مطلب و سہولت فہم خوانندہ جائے بجائے باطنا بی غیر محمل متوجہ شدہ است و ازیں حیثیت کتاب مذکور بحتب ادبی شبیہہ تراست تا بکتاب علمی۔" (۴۰)

اس تمثیلی پیرائیہ تفہیم کے علاوہ امام صاحب کی بحث و استدلال کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ جگہ جگہ مناسب اور مفید مطلب حکائتیں بھی بیان کرتے ہیں اور بدیع و نادر تشبیہات بھی تراشتے ہیں۔ بخوف طوالت ہم حکایاتی حوالے دینے سے قاصر ہیں اور گذشتہ اقتباسات میں امام غزالی کی خود مخترعہ تشبیہات کی خاص مثالیں موجود ہیں۔ بقول آربری فائق مصنف نے ان خصوصیات کو "روشن گریٔ مطلب" کا ایک بہت ہی کامیاب اور عمدہ ذریعہ بنایا (۴۱)

"GHAZALI LIGHTENS HIS ARGUMENTS WITH FRE-
-QUENT RECOURSE TO ANNECDOTE, AND SHOWS
A GREAT FONDNESS FOR AND SKILL IN THE
INVENTION OF OPPOSITE SIMILES."

گو کہ امام صاحب کی ان تصنیفی خصوصیات کی مفصل تشریح کے لئے اوپر منقولہ اقتباسات کافی نہیں، تاہم ان سے یہ بخوبی ثابت ہے کہ:۔

"قدرتِ فکر و قلم و دقتِ تعبیر و استدلالِ غزالی بخوبی پیدا می شود کہ با تمثیلہا و تشبیہات لطیف حجت و برہانِ خود را برقرار و مدلل می دارد۔" (۴۲)

کتاب کا تفصیلی مطالعہ جا بجا اس مختصر مگر جامع رائے پر صاد کرتا جاتا ہے۔

غزالی کا تبحر عربی اور "کیمیائے سعادت"

بقول مرزا محمد تقی بہار کتاب "کیمیائے سعادت":

"جوہر و خلاصۂ احیاء العلوم است۔" (۴۳)

لیکن اس رائے کا انطباق کتاب کے فقط مضامین و موضوعات پر ہوتا ہے اور اس

کی نگارش و انشا اس پراہمیت کی ایک مستقل بالذات وجہ بناتی ہے ۔ عربی دانی میں امام صاحب کے تبحر پر کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے اور عربی تصنیف و تالیف میں ان کے قادرانہ کمال پر کچھ لکھنا تحصیل حاصل ۔ اسی طرح ان کے افق علم کی وسعتوں کو بھی ناپا نہیں جا سکتا۔ ادب عربی اور علوم شرعی میں ان کی دستگاہ و فضیلت کا وہ پایہ ہے کہ ابن جوزی تک اس کا قائل ہے ،

" ابن الجوزی باآں کہ ہمہ صوفیا را بجہل نسبت می دید مراتبِ احاطہ علمی و اطلاعات فقہی حجۃ الاسلام غزالی را منکر سعی شود ۔" (۴۴)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ " کیمیائے سعادت " کی شگفتہ نگارش اور اس کے سادہ و شیریں اسلوب کو امام صاحب کے اس تبحرِ عربی اور فضائل علمی کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے ۔ صاحب " غزالی نامہ " نے بالکل درست لکھا کہ پیشرو اور معاصر فارسی ادبا و مصنفین کی عام روش کو یکسر قلم انداز کر کے امام نے سلیس و متین اور بلیغ و عام فہم انداز اختیار فرمایا جو پر فکر بھی ہے اور باصرہ نواز بھی ، اور اپنی فارسی نثر کو اپنی علمیت اور ملکۂ عربی کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا۔ چنانچہ جلال ہمای کے الفاظ ہیں کہ

فالب کسانی کہ با زبانِ عربی بسیار مانوس بودند احیاناً اگر چیزی بفارسی مے نوشتند انباشتہ از لغات عربی بلکہ بسبک و اسلوب جملہ بندی عربی بود ۔ ایں معنی در مورد ادبا و منشیانی کہ می خواستند فارسی بنویسند کاملاً پیداست ،

جائے فقہا و محدثین و علمائے دیگر کہ اصلاً در خطِ فارسی نویسی نبودند و گوئی زبانِ فارسی را فراموش کردہ بودند بلکہ نگارش فارسی را کسر شانِ خود می دانستند و اگر ہم چیزی مے نوشتند بترجمۂ ملیح عربی مانند بود ــــ اما غزالی ازآں بادہ کہ دُردِ آلودش دیگراں را دیوانہ مے کند جام ہا بلکہ خم ہائے صاف بنوشید و ذرہ ای بیہوش نشد و از دست نرفت ۔" (۴۵)

امام غزالی کا بڑا وصف

واقعہ یہ ہے۔ یہ ان کا بڑا وصف ہے۔ امام کی اس مجمع الفوائد شخصیت کا یہ پہلو بجائے خود بہت زیادہ حیرت انگیز اور بصیرت افروز ہے۔ ذرا اس شخص کے علمی تبحر اور عربی زبان و ادب میں اس کی دستگاہ و قدرت کا تصور کیجئے، جسے لڑکپن میں امام الحرمین جوینی سا برگزیدہ استاد اور فاضل اجل "بحر زخار قرار دیتا ہے۔ (۴۶) جو بمشکل ۳۴ سال کی عمر میں عالم اسلام کی بین الاقوامی درس گاہ جامعہ نظامیہ کی مسند صدارت پر متمکن ہو کر سینکڑوں علماء وفقہا کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری لیتا ہے اور جو چند ہی سال بعد اپنی رفیع مقدار عربی تصانیف کے ذریعے کثرت کے ساتھ معروف و مقبول باطل عقائد کو مسلمانوں کے دل و دماغ سے محو کر ڈالتا ہے۔

اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ وہی شخص جب فارسی زبان میں علمی عقائد و تعلیمات کو، اپنے افکار و نظریات کو اور سلوک و تصوف کے مراحل کو قلم بند کرتا ہے تو اس سادگی، صفائی، سلاست، دوانی تاثیر، دل کشی کے ساتھ کہ بڑے بڑے انشا پردازوں اور نثاروں کی نگارشات جمیل اور انشائے عالیہ انگشت بدنداں ہو کر رہ جاتی ہے! یہ اجتہاد نہیں تو اور کیا ہے!

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں کیمیائے سعادت کی عبارات و انشا کو ملاحظہ کیجئے تو ہر لمحہ حیرت و استعجاب کا لمحہ ہوگا۔ ساتھ ہی ذرا ان فارسی ادیبوں اور مصنفوں کا اسلوب تحریر بھی یاد کیجئے۔ جو قدرتِ علم اور عربی زبان و ادب پر عبور میں امام الغزالی سے بہت پیچھے ہیں لیکن ان کی کتابوں کے مطالعے سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ان سے بڑا عربی دان اور ان سے زبردست انشا پرداز کوئی نہ ہوگا! مثال کے طور پر ملا حسین واعظ کاشفی (خاص تصنیف، "انوار سہیلی") اور ابوالفضل ("دفاتیر")۔ اوّل الذکر تو خیر سے واعظ اور کاشف اسلر کتاب حق تھے مگر پھر بھی "انوار سہیلی"، کی اور اس سے کہیں زیادہ "دفاتیر" ابوالفضل کی زبان و بیان عام قاری پر ان ادبا کی عربی دانی کا استعداد اور استحقاق سے کہیں زیادہ رعب ڈالتی ہے۔

عربی لغات کے استعمال سے گریز

غزالی نے اپنی قادرانہ دستگاہ کے باوصف سوائے خاص ضرورت کے عربی امثال،

حتیٰ کہ اشعار کے استعمال تک سے جو احتراز کیا ہے۔ وہ بھی فارسی نثر میں ان کی سلاست پسندی پر دال ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایرانی ادبیات کے مورخ ڈاکٹر صفا نے بجا طور پر لکھا ہے

"اطلاع بسیار زیادِ او از ادب عربی و علوم شرعی ہیچگاہ باعث نشدہ است کہ بایرادِ کلماتِ دشوارِ عربی بامثال و اشعارِ عرب جز در موردی کہ لازم و ضرور است مبادرت کند۔" (۴۷)

فارسی زبان کے نثری ادب کے نقاد ملک الشعراء بہار نے بھی اتفاق کیا ہے کہ "کیمیائے سعادت میں عربی لغات و استعارات کا استعمال فقط بقدرِ ضرورت ہے نہ کہ تصنیف کو نگارشِ جمیل کا نمونہ بنانے کے لئے"۔

"از ایجاز و عدم ایرادِ لغات و جملہ بندی ہائے مترادف و آوردنِ استدلات قرآنیہ و نیاوردنِ شعرِ عربی و فارسی برائے شاہد و تمثیل در رعایتِ اصول جملہ بندی فارسی از انداختن فعل بآخر و استعمال فعل ہائے انشائی وغیرہ جز آں کہ فعل ہائے مکرر ندارد۔" (۴۸)

بایں ہمہ، ایجاز و اختصار اس اسلوب کا اہم عنصر ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دقیق لفظ میں ایک فقرے یا کئی فقروں کا مفہوم سمو دیا جاتا ہے تاکہ بیان میں طوالت نہ ہونے پائے۔ لیکن غزالی ایک طرف اس طرح کے دقیق الفاظ کا استعمال روا نہیں رکھتے تو دوسری جانب اجمال اختصار کو بھی حد سے جانے نہیں دیتے۔ بقول ذبیح اللہ صفا:۔

"رعائیت ایجاز از اختصارات ایں نویسندہ است و ایں خود ارزشِ کلام او را صد چنداں می کند۔" (۴۹)

کتاب کیمیا کے اسلوب کی تقلید

متعاقب فارسی ادب پر "کیمیائے سعادت" کے اسلوب تحریر کے زبردست اثرات پڑے اور ہر ادبی شاہکار کی طرح اس کی شاہکار نثر کی بھی تقلید کی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ بداہتہ' ایک وسیع

بسیط موضوع ہے اور مستقل مضمون کا حق رکھتا ہے ۔ اس کے لئے بڑے پیمانے پر سلوک و تصوف کی فارسی مصنفات کا کتابِ کیمیا سے تقابلی مطالعہ اور مفصل جائزہ ناگزیر ہے ۔ جس کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ۔ اس باب میں یہ احقر پھر کبھی اپنے ناچیز مطالعہ کے نتائج پیش کرے گا ۔ فی الفور یہاں اجمالاً عرض کیا جاتا ہے ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خاصے دوررس اور مستحکم و دیرپا ادبی اثرات کے باوجود "کیمیائے سعادت" کی نظیر آج تک نہیں لکھی جا سکی ۔ بقول جلال ہمائی بزرگ متصوفہ نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لئے کیمیا گر اسلام کے پرکار اور اثر آفریں اسلوب سے بہت کچھ اخذ و استفادہ کیا ۔

"نثر فارسیش ہیچ وجہ تیرگی عربی نیافت و آلودہ برنگِ بیگانہ نگشت بلکہ چناں شیریں و شیوا افتاد کہ نویسندگانِ بزرگ از وے پیروی کردند و ہنوز ہم باید از آں و بمانند ہائے آں پیروی کنند" (٥٠)

فارسی کے منشور ادب نے نظم فارسی کی طرح اسلوب و ادا کے اب تک کتنے ہی انقلابات دیکھ ڈالے ، بڑے بڑے علما ، و افاضل اور مصنفین و نثاروں نے اپنی وقیع کوششوں سے اسے سونے سے کندن بنایا اور ہر قرن کے اہل کمال کے جمال ہم نشینی نے اس کے وجود کو رنگ و نور سے بھر دیا لیکن باوصف اس مؤلف "غزالی نامہ" کی منقولہ بالا رائے قابلِ غور ہے کہ آج بھی امام صاحب کا طرزِ نگارش لائق تقلید ہے ۔

امام صاحب کے حالات پر اپنی معرکتہ الآرا تصنیف میں اسلامی تاریخ کے معلّم اوّل مولانا شبلی نے بھی مختصر مگر جامع الفاظ میں کتاب کیمیا کے اسلوب و نگارش کو خراج پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ متعاقب زمانوں کے متصوفہ نے دین و اخلاق کے موضوع پر اپنی تصانیف میں غزالی کے طرز تحریر سے خوشہ چینی کی ہے ۔

حاصل کلام

کتاب کیمیا کے زبردست ادبی تمول اور اس کے ہمہ گیر ادبی اثرات کا یہ ایک مختصر و

محدود ادبی جائزہ ہے۔ بہار کے الفاظ میں :۔

"کیمیائے سعادت کتابی است در علم دین و اخلاق کہ یک جہان دانش و علم و حکمت را در قالبِ عباراتِ مختصر ریختہ است۔" (۵۱)

اور استاذ الاساتذہ پروفیسر محمد نظام الدین کے بقول :۔ (۵۲)

"کیمیائے سعادت" اپنے عصر کی نثر فارسی کی بوجوہ احسن نمائندگی کرتی ہے اور اس میں اس زمانے کے نشور ادب کی خصوصیات بتمام و کمال موجود ہیں۔ پانچویں صدی ہجری میں ادب فارسی میں جو تحولات عظیم رو نما ہو رہے تھے اور فارسی نثر کا جو خاص سادہ و پُر مغز اسلوب بن رہا تھا۔ اس میں وہ پوری طرح ظاہر ہیں۔ امام غزالی کو عربی زبان و ادب اور تقریر و تحریر پر جو بے نظیر قدرت حاصل تھی۔ اس کو امام صاحب نے اپنے فارسی اسلوب پر اثر انداز ہونے نہیں دیا اور اپنی تعلیمات کو نہایت ہی سادہ و شیریں اور بلیغ و موثر انداز میں تحریر فرمایا۔

چونکہ حالاتِ وقت کے تقاضے کے پیش نظر اپنی گذشتہ عظیم عربی تصانیف کی طرح غزالی کو مروجہ باطل عقائد اور غیر اسلامی فلسفوں کی رد میں کتاب و سنت کی تعلیمات کی بڑے پیمانے پر اشاعت مقصود تھی اور عوام کو وہ گمراہ کن خیالات و بدعات سے بچانا چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے عربی پر اپنی بے مثال دسترس کے باوصف "کیمیائے سعادت" نہایت سلیس مگر پر مغز عام فہم مگر فکر آفریں اور فصیح و مؤثر زبان میں تحریر فرمائی۔ کتاب کا موضوع مذہبی اور علمی ہے لیکن ان ہی صفات سے آراستہ ہونے کے سبب اس کی ایک مستقل ادبی اہمیت بھی ہے۔

اور یہ معاصر فارسی تصانیف میں اپنی انشاء و نگارش کے فیض بہت ممتاز ہے۔ پڑھنے والے پر ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے اور وہ اس کے مطالب و معانی کو بخوبی سمجھتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ غزالی کی نثر میں قافیہ پیمائی، عبارت آرائی، رنگین بیانی ہرگز نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ اپنی سلاست و صفائی زبان کے سبب نثر فارسی کے بنیادی اسالیب میں سے ایک کی موسس ہے۔ اس کی زبان فقط سادہ ہی نہیں بلکہ نہایت نتھری اور ستھری بھی ہے، بلیغ اور فصیح بھی، صاف و شفاف بھی اور دل نشیں و مؤثر بھی۔"

آخر میں عرض ہے کہ داخلی شہادتوں اور خارجی براہین کی مدد سے کتاب کیمیا کے جتنے ادبی محاسن روشن ہوئے ہیں۔ ان کے روشن تر ہونے کے مزید ممکنات بھی موجود ہیں اور وہ بھی کچھ کم نہیں۔ اس سہ البعادی (THREE DIMENSIONAL) مطالعے کا یہ تیسرا زاویہ اپنے امکانات میں "کیمیائے سعادت" کے انشائی اوصاف کے باطنی ثبوتوں اور بیرونی دلائل کو تمام و کمال جامع ہے اور ارباب فضل و کمال کی سنجیدہ و عالمانہ توجہات کا طالب ہے۔ یہ تیسرا رخ فارسی کی متصوفانہ ادبیات کی امہات الکتب کے ساتھ "کیمیائے سعادت" کے تقابلی جائزے سے متعلق ہے اور اس غرض سے خصوصیت کے ساتھ خواجہ عبداللہ انصاری کے رسالے اور عثمان ہجویری کی تصنیف "کشف المحجوب" سے لے کر چند متعاقب کتب سے کتاب کیمیا کا تجزیہ و مقابلہ بے حد سود مند ثابت ہوگا۔ چونکہ راقم الحروف اپنی حقیر طالب علمانہ حیثیت میں اتنے بڑے ادبی مقابلے کا اہل نہیں ہے۔ اس لئے ادبیات فارسی کے معاصر افاضل سے ملتمس ہے کہ وہ موضوعی و انشائی دونوں اساس پر "کیمیائے سعادت" کی ہم مبحث تصانیف کے ساتھ مطالعہ و تقابل پیش فرمائیں۔

حواشی

۱۔ احمد آرام مصحح کیمیائے الغزالی؛ ملاحظہ ہو مقدمہ "کیمیائے سعادت"، چاپ دوم تہران ۱۳۳۳ھ؛ خلاصہ از ترجمہ حال مؤلف ص ۷۔

۲۔ ڈاکٹر محمد ذبیح اللہ صفا؛ تاریخ ادبیات در ایران" ج ۲، تہران ۱۳۳۶ھ، ص ۹۲۳۔

۳۔ جلال ہمای؛ "غزالی نامہ" تہران ۱۳۱۸، ص ۲۱۔

۴۔ بحوالہ محمد حنیف ندوی، ترجمہ "المنقذ من الضلال" موسومہ "سرگزشت غزالی" لاہور، ۱۹۵۹، مقدمہ مترجم ص ۳۔

۵۔ امام الغزالی؛ "کیمیائے سعادت" محولہ گذشتہ ایڈیشن، ص ۵۔

۶۔ ملک الشعراء بہار؛ "سبک شناسی" ج ۲ تہران، ص ۱۶۳۔

۷۔ "کیمیائے سعادت" ص ۲۔

۸۔ "کیمیائے الغزالی" ص ۲۔

۹۔ "سبک شناسی" ج ۲، ص ۱۶۳۔

۱۰۔ ڈاکٹر قاسم غنی "تاریخ تصوف در اسلام" تہران ۱۳۶۲ھ، ص ۵۲۷۔

۱۱۔ "تاریخ ادبیات ایران" براؤن، جلد ۲، ص ۲۹۳ (۱۹۲۸ء) کیمبرج۔

۱۲۔ مؤرخ "تصوف اسلام" ص ۵۲۷۔

۱۳۔ غزالی نامہ" ص ۲۲۸۔

۱۴۔ احمد آرام؛ مقدمہ کتاب کیمیا، ص د۔

۱۵۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا: "تاریخ ادبیات در ایران" ج ۲، ص ۹۲۳۔

۱۶۔ جلال ہمای؛ "غزالی نامہ" ص ۲۰۹ - ۲۱۰۔

۱۷۔ "کیمیائے سعادت" ص ۵۔

۱۸۔ "غزالی نامہ" ص ۲۲۸۔

۱۹۔ ملک الشعراء میرزا بہار؛ "سبک شناسی" ج ۲، ص ۱۶۳۔

۲۰۔ احمد آرام؛ مقدمہ "کتاب کیمیا" ص ۴۔

۲۱۔ غزالی نامہ" ص ۱۴۷۔

۲۲۔ غزالی نامہ، ص ۲۰۸۔

۲۳۔ " " " "

۲۴۔ تاریخ ادبیات ایران" براؤن، ج ۲، ص ۲۹۶، کیمبرج ایڈیشن ۱۹۲۸ء۔

۲۵۔ A. J. ARBERRY.— CLASSICAL PERSIAN LITERATURE LONDON 1958, P. 77.

۲۶۔ جلال ہمای؛ "غزالی نامہ" تہران ۱۳۳۶، ص ۲۱۰۔

۲۷۔ ملک الشعراء میرزا محمد تقی بہار: "سبک شناسی" ج ۲، ص ۱۶۳۔

۲۸۔ امام ہجویری: "کشف المحجوب" تہران، ص ۴۱۹ بحوالہ "سبک شناسی" ج ۲، ص ۱۶۲
امام ہجویری کی ایک مشہور و معروف تصنیف، جو غزالی سے قبل کے نمائندہ صوفیانہ ادب میں شامل ہے۔ سلوک و تصوف میں اور بھی کئی کتابیں ہیں۔ جن کے اسلوب کا "کیمیائے سعادت" سے تقابلی مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور یہاں بخوف طوالت ہم نہ کر سکے۔

۲۹۔ "سبک شناسی" ج ۲، ص ۱۶۳۔

۳۰۔ آربری، ص ۷۷۔

۳۱۔ " "

۳۲۔ "کیمیائے سعادت"، مصحح احمد آرام، تہران ۱۳۳۳ھ، ص ۱۔

۳۳۔ "کلاسیکل پرشین لٹریچر" ص ۷۷۔

۳۴۔ "کیمیائے سعادت"، عنوان اوّل در شناختنِ نفسِ خویش، تمہید بصفحہ ۹۔

۳۵۔ "کیمیائے سعادت"، فصل اوّل، آدمی را از چند چیز آفریدہ اند، ص ۱۰۔۱۱۔

۳۶۔ "کیمیائے سعادت"، فصل نہم، چگونہ اصل آدمی گوہر فرشتگانست، ص ۲۰۔۲۱۔

۳۷۔ آج جب انسان سائنٹفک ترقی کے اوجِ کمال پر پہنچا ہوا ہے کہ عقد ثریا پر کمندیں پھینکنا اور ہلاکت خیز وسائل کی مدد سے عالمِ آب و گل کو نیست و نابود کرنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں ہے۔ امام صاحب کا یہ حقیقت آفریں اور بصیرت افروز فقرہ آٹھ صد سال بعد بھی انسان کو دعوتِ غور و فکر دیتا ہے کہ قدرِ خویش بشناس۔

۳۸۔ "کیمیائے سعادت"، عنوان دوم، فصل ۱۔

۳۹۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا: "تاریخ ادبیات در ایران" ج ۲ تہران ۱۳۳۶، ص ۹۲۳۔

۴۰۔ "سبک شناسی" ج ۲، ص ۱۶۴۔

۴۱۔ آربری، "کلاسیکل پرشین لٹریچر" ص ۷۷۔

۴۲۔ "سبک شناسی" ج ۲، ص ۱۶۴۔

۴۳۔ ایضاً

(بقیہ صفحہ ۱۵۲ پر)

ڈاکٹر محمد اختر چیمہ پروفیسر شعبہ فارسی
گورنمنٹ کالج فیصل آباد۔

شیخ بابا فریدؒ اور شیخ الاسلام زکریاؒ

کے روابط پر ایک طائرانہ نظر

آفتابِ انوارِ ولایت، پیشوائے عالمِ ہدایت حضرت قطب العارفین خواجہ بابا مسعود گنج شکرؒ سلسلہ چشتیہ کے نامی گرامی عارف و صوفی تھے اور واقفِ اسرارِ یزدانی، کاشفِ رموزِ ربانی حضرت غوث العالمین شیخ الاسلام بہاءالحق والملت والدین زکریا اسدی قریشی ملتانی رحمتہ اللہ علیہ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ ہند کے مؤسس و مورثِ اعلیٰ تھے۔ کتب و تصانیفِ معتبر میں ان اقطاب کے مناقب و مقامات و کمالات بکثرت مندرج و مسطور ہیں۔ (۱) ساتویں صدی ہجری کے اس پرآشوب دور میں خداوندِ قدوس نے خانوادۂ چشتیہ اجمیر اور خاندان سہروردیہ ملتان کو برصغیر پاکستان و ہند میں مبعوث فرما کر یہاں کے لوگوں کی کایا پلٹ دی اور ان کے تاریک دلوں کو شمع نورِ اسلام سے منور فرما دیا۔ بابا فریدؒ نے حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی اوشی دہلویؒ سے تربیت پائی اور مؤسس چشتیہ ہند حضرت خواجہ خواجگان چشتی اجمیریؒ سے بھی کسب فیض کیا اور اس علاقے میں طریقت چشتیہ کا جھنڈا گاڑ دیا۔ شیخ الاسلام زکریاؒ نے مستقیماً بانی سہروردیہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی بغدادیؒ نے خرقہ خلافت حاصل کر کے بحکمِ مرشد ملتان میں اپنا مرکز قائم کیا۔ پھر ان دونوں بزرگوں کے خلفاء اور مریدین ملتان کے علاقے سے باہر نکل کر برصغیر کے دوسرے صوبوں اور غیر ممالک میں بھی پھیل گئے۔ اور انہوں نے اسلامی اقدار و روحانی تعلیمات کا خوب پرچار کر کے ان کو دور دور تک پہنچا دیا۔

شیخ العالم بابا فریدؒ اور شیخ الاسلام زکریاؒ دو مختلف سلاسل طریقت کے نمائندہ اور مبلغ تھے۔ اس کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ روابطِ دوستانہ اور تعلقات حسنہ رکھتے تھے جو تا زندگی ان کے مابین قائم و دائم رہے۔ انہی گہرے تعلقات و مراسم کی بناء پر بعض تذکرہ نگاروں نے ان کو آپس میں خالہ زاد

بھائی بنا دیا ہے حالانکہ یہ نسبت درست نہیں ہے۔ (۲) اب ہم خواجہ فریدؒ اور شیخ زکریاؒ کے ملفوظات و فرمودات سے استناد و استشہاد کر کے دونوں کی یگانگت و مودّت کے رشتہ کو ثابت کرتے ہیں:۔

راحت القلوب، ملفوظات خواجہ فریدؒ لے میں " دعا کی فضیلت" میں بابا فریدؒ کا ارشاد نقل ہے:

"ایک دفعہ میں اور برادرم بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ ایک جگہ مقیم تھے کہ ایک اور صاحب نعمت بزرگ بھی وہاں آ پہنچے اور ہم تینوں میں دعا کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ جو شخص ان چار باتوں کا خیال نہیں رکھتا، اللہ بھی اسے چار چیزوں سے محروم کر دیتا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ، ۲۔ صدقہ و قربانی، ۳۔ نماز، ۴۔ دعا۔

ترکِ زکوٰۃ سے برکت جاتی رہتی ہے۔ ترکِ صدقہ سے صحت بگڑنے لگتی ہے، ترکِ نماز سے مرتے وقت ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور ترکِ دعا سے پھر دعا مستجاب نہیں ہوتی۔" (۳)

راحت القلوب میں ایک دوسری جگہ " ماہِ ذی الحجہ کے اعمال و فضائل " میں اس طرح منقول ہے:

" برادرم شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ قدس اللہ سرہٗ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص آخر ماہِ ذی الحجہ میں دو رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور کچھ قرآن شریف اور سلام کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیتا ہے اور اسے بھی بخش دیتا ہے۔" (۴)

خلاصۃ العارفین ۔ ملفوظاتِ شیخ زکریاؒ ۔ کی تین اقسام (ابواب) میں سے دوسری قسم بابا فریدؒ کی زبانی منقول و مذکور ہے۔ بابا صاحبؒ نے شیخ زکریاؒ کو بالعموم " برادرم" کہہ کے یاد کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"برادرم شیخ بہاؤالدین زکریاؒ بسیار سفر کردہ بود، دعاگوئی یک ہزار و سیصد و ہشتاد از مشائخ کبار دیدہ بودم۔ امّا شیخ الاسلام مخدوم العالم غوث بہاؤالدین بہاءالحق بسیار مشائخ را دیدہ بودم"۔(۵)

برادرم شیخ بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے بہت سفر کئے تھے۔ دعاگو نے ایک ہزار تین سو اسی مشائخ کبار کو دیکھا تھا لیکن شیخ الاسلام مخدوم العالم غوث بہاءالحق والدینؒ نے میری نسبت زیادہ مشائخ کرام کی زیارت کی تھی۔

(۵) پھر باباصاحبؒ نے ملتان میں اپنی ملاقاتوں کے علاوہ خلاصۃ العارفین میں مختلف مقامات پر شیخ الاسلام زکریاؒ کی ہمراہی و رفاقت میں بخارا (۶)، بغداد (۷)، دمشق (۸) اور دہلی (۹) کے اسفار کا ذکر کیا ہے۔ جواہر فریدی (۱۰) اور مخزن چشت (۱۱) میں بھی ان کے بغداد کے ایک باہم سفر کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس میں شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "عوارف المعارف" کا نسخہ خواجہ فریدؒ کو مرحمت فرمایا اور بقولی "عوارف المعارف" ہر وقت آپ کے پیش نظر رہتی تھی۔ (۱۲) لہٰذا خواجہ فریدؒ کو شیخ الاسلامؒ کے پیرومرشد سے بھی گہری ارادت و عقیدت تھی۔

خلاصۃ العارفین، فوائدالفواد اور سیر الاولیاء جیسی مستند کتابوں میں بابا فریدؒ اور شیخ الاسلام زکریاؒ کے روابط کی بہت سی حکایات مندرج و مسطور ہیں۔ جن میں ان دونوں کے ایک دوسرے سے افادہ و استفاضہ کا ذکرِ جمیل ہے مگر اختصار کے پیش نظر فوائدالفواد اور سیر الاولیاء سے صرف ایک ایک حکایت تبرکاً یہاں بیان کی جاتی ہے،

فوائدالفواد میں ایک جگہ مرقوم ہے کہ ایک قوال ابوبکر خرّاط نامی ملتان میں شیخ زکریاؒ سہروردی کو سماع سے محظوظ کرکے شیخ العالم بابا فریدؒ کی خدمت اقدس میں اجودھن (پاک پتن) آیا۔ اس نے شیخ زکریاؒ کے فضائل و مناقب بیان کئے کہ ان کے ہاں یوں ذکر ہوتا ہے، اس طرح عبادت کی جاتی ہے، اوراد و وظائف یوں پڑھے جاتے ہیں، آپ کی جو لونڈیاں آٹا پیستی ہیں۔ وہ بھی ذکر الٰہی میں مشغول ہوتی ہیں۔ وہ قوال بہت دیر تک اس طرح کی باتیں کرتا رہا۔ حضرت محبوب الٰہی کہتے ہیں کہ ان میں سے

کسی بات نے بھی میرے دل کو متاثر نہ کیا۔ بعد ازاں اس نے بتایا کہ وہ وہاں سے اجودھن آیا شیخ العالم فریدؒ کو بادشاہ فقر و غنا اور ماہتاب رشد و ہدایت پایا۔ جو یوں تھے، یوں تھے۔ الغرض جب بابائے فقرؒ کے اوصاف و محامد میرے کان میں پڑے، تو آپ کی محبت و عقیدت کا دریا میرے دل میں جوش مارنے لگا اور میں اس قدر آپ کا شیفتہ و وارفتہ ہو گیا کہ نماز پنجگانہ کے بعد دس دس مرتبہ شیخ فریدؒ اور مولانا فریدؒ کا ورد الاپنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ محبت اس انتہا تک پہنچی کہ میرے تمام دوستوں کو اس کی خبر ہو گئی اور انہوں نے بوقت ضرورت مجھے شیخ فریدؒ کی قسم دینا شروع کر دی۔ (۱۳)

سیر الاولیاء میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی باہم ملاقات اور شیخ زکریاؒ کی بابا فریدؒ سے عقیدت کا حال اس طرح ضبط تحریر ہے:

"شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کی روایت کے مطابق زمانۂ طالب علمی میں ہی بابا فریدؒ کے تعلّم، تعبّد اور تجرّد کا شہرہ پھیل گیا تھا۔ شیخ زکریاؒ کو آپ کی شہرت سُن کر ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی۔ اتفاقاً اس دوران آپ تحصیل علم کی غرض سے ملتان قبتہ الاسلام تشریف لائے اور ایک مسجد میں قیام پذیر ہوئے۔ ایک روز آپ اس مسجد میں کتابِ نافع کا سبق یاد کرنے میں مشغول تھے کہ اس موقع پر حضرت قطب الاقطاب بختیار قدس سرہٗ اوش سے ملتان پہنچے اور اس مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ جس میں آپ رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت بختیارؒ کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو اسیر کر لیا۔ وہیں بابا صاحبؒ، قطب صاحبؒ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ انہی ایام میں شیخ الاسلام زکریاؒ ــــ اس حکم کے بموجب کہ ہر آنے والا زیارت کیا جاتا ہے ــــ اسی مسجد میں کہ جس میں حضرت قطب الاقطابؒ اور شیخ العالم بابا فریدؒ موجود تھے، تشریف لائے اور انہوں نے خواجگان چشتؒ سے ملاقات کی۔ پھر مذکور ہے کہ جب شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ رخصت ہونے لگے تو خواجہ قطب الدینؒ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے جوتے درست کئے۔ (۱۴)

شیخ شیوخ العالم بابا فریدؒ، شیخ الاسلام زکریا ملتانیؒ کے احترام کے اس قدر قائل تھے کہ

ایک دفعہ بابا فریدؒ نے شیخ زکریاؒ کو خط لکھنا چاہتا تو سوچنے لگے کہ خط میں انہیں کس لقب سے یاد کروں؟ پھر آپ کے دل میں معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کا جو خطاب لوحِ محفوظ میں ثبت ہے وہی لکھنا چاہیئے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر اپنی چشم بصیرت سے دیکھا تو لوحِ محفوظ پر ان کا لقب "شیخ الاسلام" لکھا ہوا نظر آیا۔ لہذا آپ نے بھی خط میں یہی لفظ رقم فرمایا۔ (۱۵) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دو شیوخ بوقت ضرورت ایکدوسرے سے خط و کتابت بھی کیا کرتے تھے۔

ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت زکریاؒ کی جانب سے حضرت خواجہ فریدالدینؒ کو ایک ایسی بات پہنچائی گئی، جو آپ کی مجلس کی شایانِ شان نہ تھی۔ اس کی معذرت میں شیخ زکریاؒ نے آپ کو ایک رقعہ لکھا۔ جس میں تحریر فرمایا کہ "میان ما و شما عشق بازی است"۔ (ہمارے اور تمھارے درمیان عشق بازی ہے) خواجہ فرید نے اس کے جواب میں لکھا کہ "عشق ہست، بازی نیست"۔ (ہمارے درمیان عشق ہے، بازی نہیں ہے) (۱۶)

فوائدالفواد، سیر العارفین اور مراۃ الاسرار میں آنجناباں کی ولایتوں کی حدود کے تعین کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔ بقول حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ۔ عبداللہ نام اپنے زمانے کا ایک معروف قوال تھا۔ وہ بغداد شریف کا سفر طے کر کے حضرت بابا فریدؒ کی خدمت اقدس اجودھن (پاک پتن) حاضری کے لئے آیا۔ چند روز یہاں رہ کر عازم ملتان ہوا۔ روانگی سے پیشتر اس نے بابا فریدؒ کی خدمت میں التماس دعا کی کہ راستہ پُر خطر ہے۔ خدا کرے صحیح و سلامت ملتان پہنچ جاؤں۔ شیخ العالم گنج شکرؒ نے فرمایا کہ یہاں سے فلاں حوض تک میری سرحد ہے اور مجھ سے متعلق ہے۔ انشاء اللہ میں تمہاری نگہداری کروں گا۔ اس حوض سے آگے ملتان کی سرحد شروع ہوتی ہے جو برادرم شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی عملداری اور ولایت میں شامل ہے۔ لہذا ان سے مدد طلب کرنا۔ عبداللہ اس حوض تک تو سلامتی کے ساتھ پہنچ گیا۔ جونہی اس نے آگے قدم بڑھایا چند سوار ایک طرف سے تلواریں سونتے نظر آئے۔ عین پریشانی کے عالم میں اسے بابا صاحبؒ کا ارشاد مبارک یاد آیا اور شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی طرف رجوع کیا۔ فی الفور سوار متفرق و منتشر ہو گئے عبداللہ منزل بہ منزل بحفاظت تمام سفر کرتا ہوا خانقاہِ شیخ الاسلام زکریاؒ تک ملتان پہنچ گیا۔ وہاں

پہنچ کر اس کے دل میں بدگمانی کا شائبہ پیدا ہوا تو شیخ زکریاؒ نے اسے اپنے تصرّف و مقام اور بابا فریدؒ کے لطف و کرم کے متعلق یاد دلایا اور دائرۂ ادب میں رہنے کی تلقین و ہدایت کی۔ تب وہ شرمندہ و شرمسار ہو کر آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ (۱۷)

مرزا محمد اختر دھلوی کی گفتار کے مطابق ایک بار حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ عالم طیر میں تھے کہ کوہ قاف کی سیر کو نکل کھڑے ہوئے۔ ایک مسجد دلکشا دیکھ کر وہاں قیام کیا۔ اس جگہ کے کل درویش حضرت بابا صاحبؒ کی پابوسی کے واسطے حاضر ہوئے اور آداب و خدمات بجالائے۔ ایک روز انہوں نے وعظ کے واسطے گزارش کی۔ بابا صاحبؒ نے قرآن کریم کی تفسیر بیان کی۔ جس کو سن کر تمام لوگ محظوظ ہوئے۔ اس وقت سپر سے حجاب اٹھ گیا تھا۔ آپ پر ایک خاص حالت و کیفیت طاری تھی۔ اس کے بعد جب دنیا داروں نے بہت ستانا شروع کیا تو دونوں بزرگ وہاں سے مراجعت کر کے ہندوستان آگئے۔ (۱۸)

مولانا نور احمد خاں فریدی نے تحفتہ الکرام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ العالم بابا فریدؒ، شیخ الاسلام زکریاؒ، لعل شہباز قلندرؒ اور سید جلال بخاریؒ، چار یاروں نے سندھ کے پہاڑی علاقوں میں کئی کئی دن اکٹھے سیر و سیاحت اور مکاشفہ میں کاٹے ہیں۔ (۱۹)

اسرار الاولیا ـــ ملفوظات حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ ـــ میں تحریر ہے:

"جب یہ فقیر "احوال" میں مستغرق ہوتا تو محبوب کے اسرار سے بعض باتیں منکشف کر دیتا۔ چنانچہ یہ بات شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ تک بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے فوراً مجھے خط لکھا کہ اے درویش! تم یہ کیا نادانی کرتے ہو۔ اسرار حق ظاہر کر رہے ہو اور یہ اہل اسرار کے ہاں درست نہیں۔ فقیر نے جواب میں لکھا کہ بھائی! کام قیل و قال سے گزر چکا ہے۔ اسرار دوست کا ایک دریا میرے سینہ میں موجزن ہے اور کوئی جگہ خالی نہیں رہی کہ جہاں سما سکے۔ پس اس وقت اس کثرت سے اسرارِ دوست عالمِ انوار سے تجلّی فرماتے ہیں کہ جگہ کی کمی کے سبب باہر آجاتے ہیں۔ اے برادر! جس قدر میں کوشش کرتا ہوں کہ ان اسرار کی نگہداشت کروں اور کوئی راز باہر نہ جانے دوں، میری کوشش ناکام رہتی ہے۔ جب اس فقیر کا یہ جواب شیخ

کی خدمت میں پہنچا ۔ سوچنے لگے اور کہا کہ ہمارے دوست فریدؒ نے اپنا کام پورا کرلیا اور مقام بلند پر پہنچ گئے ۔ (۲۰) اس طرح شیخ الاسلام زکریاؒ کی نگاہ میں بابا فریدؒ کے اعلیٰ وارفع رتبہ اور درجہ کا پتہ چلتا ہے۔

اسرارالاولیاء ہی میں حضرت بابا فریدؒ کا ارشاد ہے :

" ایک مرتبہ ملتان سے آنے والے ایک شخص نے بتایا کہ ایک موقع پر شیخ الاسلام زکریاؒ پر کیفیتِ خاص طاری تھی ۔ آپ اپنی خانقاہ سے باہر تشریف لائے ۔ سوار ہوئے اور فرمایا : منادی کرادو کہ جو شخص آج بہاؤالدین زکریاؒ کے چہرۂ انور کو دیکھ لے گا ، قیامت کے روز میں اس کی نجات و بخشش کا ذمہ دار ہوں گا ۔ مسلمان کثیر تعداد میں آئے ، اور حضرت زکریاؒ کے روئے مبارک کی زیارت کی ۔ حضرت موصوف یہ اعلان کر رہے تھے کہ مجھے القا کیا گیا ہے ۔ جس نے آج دنیا میں مجھے دیکھ لیا ، محشر کے دن آتش دوزخ اس پر حرام کر دی گئی " ۔ بابا فریدؒ نے فرمایا : " جونہی اس آدمی نے یہ حکایت ختم کی مجھ پر بھی کیفیتِ خاص اور وارداتِ باطنی طاری ہو گئی " ۔ میں نے کہا : " اے درویش ! اگر میرے برادر بہاؤالدینؒ نے اس طرح کا اظہار فرمایا ہے کہ آج اس کی زیارت کرنے والا دوزخ میں نہ جائے گا ، تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں ، مسلمانوں میں سے جو کوئی زندگی میں مجھ سے بیعت ہوگا یا میرے ساتھ مصافحہ کرے گا ۔ میرے بیٹوں مریدوں یا میرے خاندان میں سے کسی کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کرے گا ، جہنم کی آگ اس پر حرام ہو جائے گی ۔ اسے قطعاً دوزخ میں نہیں ڈالیں گے کیونکہ میرے پیر روشن ضمیر حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ العزیز نے ایک دفعہ فرمایا تھا : اے فرید ! حق تعالیٰ نے تجھے وہ مقام عطا کیا ہے کہ جو شخص تیرا یا تیرے مریدوں یا بیٹوں کا ہاتھ پکڑے گا ، وہ دوزخ میں نہیں جا سکتا ۔ اس کا مقام بہشت میں ہوگا کیونکہ ہر روز ہزار بار مجھے القا ہوتا اور آواز آتی ہے کہ فرید اجودھنیؒ بڑا خوش بخت انسان ہے " ۔ (۲۱)

مراۃ الاسرار میں حضرت سلطان المشائخؒ کے حوالہ سے شیخ العالم بابا فریدؒ اور شیخ الاسلام زکریاؒ

کی وفات میں تین سال کا فرق اس طرح منقول ہے کہ یہ چند بزرگ ایک دوسرے کے ہم عمر تھے جنہوں نے تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد رحلت فرمائی۔ پہلے شیخ سعد الدین حمویہؒ نے وفات پائی۔ ان کے تین سال بعد شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے رحلت کی۔ تین سال بعد شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے وصال پایا۔ پھر تین سال بعد حضرت گنج شکرؒ دار البقا کی طرف روانہ ہوئے۔ (۲۲)

حاصل یہ کہ روایات و منقولات کے مطابق بابا فریدؒ اور شیخ زکریاؒ دونوں میں رفاقت و مصاحبت تھی۔ ان کے مابین تصوّف و معرفت اور راز و نیاز کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ دونوں میں اسرارِ باطنی اور رموزِ معنوی کے سلسلے میں تبادلۂ خیال ہوا کرتا تھا۔ تذکرہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ میں نقل ہے: "حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت گنج شکرؒ کے درمیان بڑی محبت تھی۔ سالہا سال تک دونوں یکجا بسر کئے اور سفر و حضر میں ایک دوسرے کے شریکِ حال رہے۔ ان کا باہمی اخلاص دنیاوی راہ و رسم سے وراء الورا تھا۔" (۲۳) لیکن باوجود اس قدر تعلق خاطر و دوستی کے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دونوں بزرگوں میں اختلاف عمل بھی پایا جاتا تھا۔ مثلاً فوائد الفواد اور سیر الاولیاء میں تحریر ہے: حضرت بابا فریدؒ اکثر روزہ سے رہتے تھے، جب کہ شیخ الاسلام زکریاؒ روزہ بہت کم رکھتے تھے۔ (۲۴)

خداوند متعال ہمیں ان اسلاف و اکابر کے نقش قدم پر چل کر آپس میں محبت و یگانگت کے ساتھ رہنے کی توفیقِ بخش عطا فرمائے۔ آمین۔

حوالہ جات

ملاحظہ کیجئے،

سیر الاولیا، تصنیف سید محمد مبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خوردؒ، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی مرکزی اردو بورڈ لاہور، فروری ۱۹۸۰ء، بابا فریدؒ، ص ۱۴۴ بعد؛ سیر الاولیاء، امیر خوردؒ، ترجمہ غلام احمد بریاں، الکتاب گنج بخش روڈ لاہور، ۱۹۷۸ء۔ بابا فریدؒ، ص ۶۴ بعد؛ سیر العارفین تالیف حامد بن فضل اللہ جمالیؒ، مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ لاہور، اپریل ۱۹۷۶ء، بابا فریدؒ، ص ۴۲، شیخ زکریا، ص ۱۴۳، سیر الاقطاب تذکرہ خواجگان چشت،

مصنف الہدیہ ابن شیخ عبدالرحیم، مترجم پروفیسر محمد معین الدین دروائی، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع دوم، نومبر ۱۹۷۹ء، بابا فرید، ص ۱۸۵؛ مراۃ الاسرار، مؤلفہ شیخ عبدالرحمٰن چشتی، ترجمہ و تحقیق کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری، صوفی فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۲ء، جلد دوم بابا فرید، ص ۱۹۵، شیخ زکریا، ص ۱۳۶۔ اخبار الصالحین، تالیف نواب مولانا معشوق یار جنگ بہادر، ملک اینڈ کمپنی لاہور۔ اشاعت دوم ۱۴۰۴ھ، بابا فرید، ص ۳۰۵، شیخ زکریاؒ ص ۲۹۸۔

۲۔ تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی، از مولانا نور احمد خاں فریدی، قصر الادب نور محل، براہ شجاع آباد، ضلع ملتان، ص ۱۴۷، ایضاً۔ علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۸۰ء، ص ۱۳۵۔

خالہ زاد بھائی کے لئے ملاحظہ کیجئے:

اخبار الاخیار مع مکتوبات (فارسی) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر (پاکستان) ص ۲۷؛ اردو ترجمہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ص ۶۳؛ سیر الاقطاب، ص ۱۹۸؛ مراۃ الاسرار ۱۳۸/۲؛ جواہر فریدی، تصنیف لطیف مولانا محمد علی اصغر چشتی، مترجم ملک فضل الدین اللہ والے کی قومی دکان لاہور، ص ۲۸۰؛ اخبار الصالحین، ص ۲۰۰؛ انوار اصفیا، مرتبہ ادارہ تصنیف و تالیف، شیخ غلام علی لاہور، اشاعت چہارم، ۱۹۸۵ء، ص ۱۹۰؛ مقالات علمی و دینی، از مولوی محمد شفیع، لاہور، ۲۶۱/۱۔

۳۔ از خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۰۵ھ، اردو ترجمہ ص ۱۲۴ - ۱۲۵۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۳۱ - ۱۳۲۔

۵۔ احوال و آثار شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی و خلاصۃ العارفین، بہ تصحیح و تحشیہ و کوشش بانو دکتر شمیم محمود زیدی، از انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی، ۱۹۷۴ء، میلادی، ص ۱۵۱۔

۶۔ ایضاً ص ۱۴۲۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۴۸، ۱۵۷۔

۸۔ 〃 ص ۱۴۸۔

۹۔ 〃 ص ۱۴۹

۱۰۔ ص ۲۸۱۔ ۲۸۴۔

۱۱۔ مخزن چشت — شرح سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ — (قلمی) تالیف خواجہ امام بخش مہاردی، عکسی مملوکہ پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی، ص ۱۷۹ - ۱۸۳۔

۱۲۔ تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی، مطبوعہ اوقاف، ص ۱۴۰۔

۱۳۔ فوائد الفواد، ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء، تالیف خواجہ حسن دہلوی، با تصحیح و مقدمہ و حواشی محمد لطیف ملک، ملک سراج الدین لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۵۲ - ۲۵۳؛ فوائد الفواد اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور، علما اکیڈمی اوقاف پنجاب لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۲۹۹ - ۳۰۰۔ فوائد الفواد، اردو ترجمہ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۸ء، ص ۲۵۸ - ۲۵۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے:
سیر الاولیا، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، ص ۲۰۴ - ۲۰۵۔

۱۴۔ سیر الاولیا، ترجمہ قدوسی، ص ۱۴۹ - ۱۵۰؛ ترجمہ بریاں، ص ۴۷ - ۴۸۔

۱۵۔ سیر الاولیا، ترجمہ قدوسی، ص ۱۷۹؛ ترجمہ بریاں، ص ۹۰؛ اذکار ابرار، اردو ترجمہ گلزار ابرار، مصنف محمد غوثی شطاری مانڈوی، مترجم فضل احمد جیوری، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۳۹۵ھ، ص ۵۶۔

۱۶۔ سیر الاولیا، ص ترجمہ قدوسی، ص ۱۷۳؛ اخبار الاخیار مع مکتوبات، ص ۲۷؛ اخبار الاخیار اردو ترجمہ، ص ۶۳؛ مراۃ الاسرار، ۱۳۸/۲؛ اخبار الصالحین، ص ۳۰۰؛ انوار اصفیا ص ۱۹۰؛ تذکرہ اولیائے برصغیر پاک و ہند، مرزا محمد اختر دہلوی، ملک اینڈ کمپنی لاہور، ص ۱۰۵۔

۱۷۔ فوائد الفواد (فارسی)، ص ۲۳۵، ۲۳۶؛ فوائد الفواد، اردو ترجمہ اوقاف، ص ۲۸۲ - ۲۸۳؛ سیر العارفین، ص ۱۶۰ - ۱۶۱؛ مراۃ الاسرار، ۱۳۹/۲؛ اخبار الصالحین

ص ۳۰۱ - ۳۰۲۔

۱۸۔ تذکرہ اولیائے برصغیر پاک و ہند، ص ۱۰۱ - ۱۰۲۔

۱۹۔ تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی، مطبوعہ اوقاف، ص ۱۵۵ - ۱۵۶۔

۲۰۔ اسرارالاولیا، ملفوظات شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، مرتبہ شیخ بدرالدین اسحاقؒ، ترجمہ و ترتیب پروفیسر عبدالسمیع ضیا، مکتبہ فریدیہ، ساہیوال، ص ۸۴۔

۲۱۔ اسرارالاولیا، ص ۸۵۔

۲۲۔ مراۃ الاسرار، ۲/۱۴۰ - ۱۴۱؛ ملاحظہ کیجئے: فوائدالفواد (اردو) محکمہ اوقاف، ص ۴۱۵، ۴۱۶، لکھا ہے: ''حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ زمانہ کتنا اچھا تھا۔ جس میں یہ پانچ بزرگ بقید حیات تھے۔ شیخ ابوالغیث یمنیؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ سعدالدین حمویہؒ شیخ بہاءالدین زکریاؒ اور شیخ العالم فریدالدینؒ''۔ فوائدالفواد (فارسی)، ص ۳۷۵۔

۲۳۔ مولانا نور احمد خاں فریدی، محکمہ اوقاف، ص ۱۴۱۔

۲۴۔ فوائدالفواد (فارسی) ص ۳۰۹؛ فوائدالفواد، اردو ترجمہ اوقاف، ص ۳۵۰؛ سیرالاولیا ترجمہ قدوسی، ص ۶۱۶۔

ڈاکٹر ریحانہ خاتون

التمش کے دور میں اودھ کا ایک آزاد حکمران

"ھــــردودل"

(دیوان سراجی کی روشنی میں)

حال میں مجھے دیوان سراجی (۱) کے مطالعے کا موقع ملا۔ یہ دیوان ادبی اور شعری خصوصیات سے مالامال ہے۔ علاوہ براین اس میں تاریخی امور پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ دراصل اس سے ہندوستان کی تاریخ کے اہم ماخذ کا کام لیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد صاحب نے بتایا کہ کران بلوچستان کی قدیم تاریخ کا یہ تنہا ماخذ ہے۔ اس دیوان میں بہت سے اشعار کران کے فرماں روا، شاہزادوں اور امراء و روساء کی تعریف میں ملتے ہیں اور جیسا کہ اس کتاب کے مقدمے میں مصحح دیوان نے اشارہ کیا ہے کہ ہندوستان کے دور شمسی کے بعض نادر واقعات اس کتاب میں مل جاتے ہیں جو اور کسی ذریعے سے نہیں مل سکتے۔ انھیں امور میں سلطان ناصرالدین محمود کی فتح اودھ بھی ہے۔ یہ فتح التمش کے عہد میں ٦٢٣ھ کے قریب ہوئی ہوگی۔ اسی کے تعلق سے یہ مختصر سا مقالہ تیار کیا گیا ہے۔

دیوان سراجی میں ایک قصیدہ سلطان ناصرالدین محمود کی مدح میں شامل ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے "ہردودل" نام کے کسی فرمانروا کو شکست دے کر اودھ کے خطے پر اپنا قبضہ بحال کیا تھا۔ یہ قصیدہ اسی طرح شروع ہوتا ہے:

ای زدہ یک ترک تو برہم سپاہ ہردودل
رفت برگردوں ز شمشیر تو آہ ہردودل

اے ممدوح تیری فوج کے ایک تنہا ترک سپاہی نے ہردودل کی سپاہ کو بری طرح درہم برہم

شعبہ فارسی دانشگاہ دہلی۔ بھارت

کردیا اور تونے ہردودل اور اس کے لشکر پر اپنی شمشیر زنی کی ایسی نمائش کی کہ ہردودل ایسی آہ و بکا کر رہا ہے کہ اس کی آواز آسمان تک پہنچ رہی ہے۔

برلب آب سرو دریای قلزم برگشاد
چشمۂ تیغ تو از خون سپاه ہردودل

تونے اپنی تلوار سے ہردودل کی سپاہ کا سرجو ندی کے کنارے اتنا خون بہایا کہ اس ندی کا سفید پانی خون کی وجہ سے دریائے قلزم بن گیا۔ (دریائے قلزم کا پانی لال رنگ کا ہے) اگر ہردودل کی کوئی عزت و آبرو تھی تو دیکھو کس طرح اس کی بے عزتی اور بے آب روئی ہوئی کیونکہ اس کو بہت بری طرح شکست نصیب ہوئی ہے۔

بد سگال ہردودل آمد بجان از بیم تو
آنکہ از دل پیش ازین شد نیک خواہ ہردودل

اے ممدوح تیری لڑائی کی کیفیت دیکھ کر ہردودل کے ہر نیک خواہ کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ خوف کے مارے ہردودل کا بدخواہ بن گیا کیونکہ اگر وہ ہردودل کا نیک خواہ ہی رہے گا تو اس کو ڈر ہے کہ اس کو بھی اسی کیفیت سے گزرنا پڑے گا۔ جس سے ہردودل گزر رہا ہے۔

ہردودل گرآب و جاہی داشت بنگر چوں رفت
زآبروی خنجر تو آب و جاہ ہردودل

اگرچہ ہردودل بڑے جاہ و حشم کا مالک تھا، دیکھو کس طرح تیری تلوار کے سامنے اس کے جاہ و حشم کی آبرو جاتی رہی۔ تیری تلوار نے وہ جوہر دکھائے کہ ہردودل جو بہت زیادہ عزت والا تھا، اس کی عزت ختم ہو گئی۔

نصرورستم تنی در رہ کیں نگذاشتی
بیژن دل خستہ را در قصر چاہ ہردودل

" اے ممدوح تو رستم کی خصوصیات رکھنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تو کس طرح بیژن دل خستہ کو ہردودل کی قید میں چھوڑ دیتا۔ تونے ہردودل کی قید سے بیژن کو رہائی دلائی۔"

فتح رستم وار کردی و گواہ حال تست
آبِ زرد بیژن و روی سیاہ ہر دو دل

تو نے رستم کی طرح فتح حاصل کی اور تیرے اس حال کی گواہ محبوس کا زرد چہرہ اور ہردودل کی سیہ روئی ہے۔

زین سپس از عکس روی و خون ہندو تا بحشر
زعفران و گل دمد در رزمگاہ ہر دو دل

اے ممدوح اس جنگ میں تو نے اتنے زیادہ ہندوؤں کا خون بہایا ہے کہ زمین گلزار اور زعفران زار بن گئی ہے اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ ہر دودل کی رزمگاہ میں حشر تک زعفران اور گل کھلتے رہیں گے۔

بعد ازیں در بزم شاہان مطربان خوشنوا
پردھا سازند بر دستان و راہ ہر دودل

اس فتح کے نتیجے میں بادشاہوں کی محفل میں مطربان خوشنوا ہر دودل کی آواز پر راگ ایجاد کریں گے اور گائیں گے۔ یعنی اس کی آہ و بکا سن کر خوش ہوں گے۔

آفتاب چتر شہ چوں بر دمید از برج فتح
در محاق مدبری افتاد ماہ ہر دو دل

جب فتح کے برج پر بادشاہ کی خوش نصیبی کا آفتاب چمکا تو ہر دودل کا چاند بدنصیبی کے گرہن میں گھر گیا، یعنی ہر دودل، جو بہت طاقت ور تھا۔ جب اس کو شکست نصیب ہوئی تو یہ اس کی بدقسمتی تھی اور بادشاہ کو فتح حاصل ہوئی۔ یہ اس کی بہت زیادہ خوش نصیبی کی وجہ سے ہوا۔

بعد ازیں از گوشہ ہای جنگل ہندوستان
بر سر گردوں رسد واحسرتاہ ہر دودل

اس کے بعد ہندوستان کے جنگل کے گوشہ گوشہ سے ہر دودل کی آہ و فغاں و نالہ و فریاد آسمان تک پہنچیں گے۔

ہر دو دل زین پس نماند ور بماند نگذرد
جز بہ رنج و درد و حسرت سال و ماہ ہر دو دل

اس کے بعد ہر دو دل نہیں رہ جائے گا اور اگر رہے گا بھی تو اس کے دن اور رات ، ماہ و سال رنج و حسرت میں ہی بیتیں گے ۔ اس کے پاس سوائے رنج و غم کے اور کچھ نہ رہ جائے گا ۔

شد ز بیم تیغ شہ در صلب ناپاک و پلید
از پی قطع نسب چوں سنگ باہ ہر دو دل

بادشاہ کی تلوار کے خوف سے ہر دو دل صاحب اولاد بھی نہیں ہو سکتا ہے ۔ اب اس کا حسب نسب اور خاندان ختم ہو جائے گا ۔

ہر دو دل گر رسم و راہی داشت از شمشیر شاہ
تا قیامت مندرس شد رسم و راہ ہر دو دل

اگر ہر دو دل کی کچھ عزت و آبرو تھی ، تو بادشاہ کی تلوار کی وجہ سے ۔ اس کی عزت و آبرو قیامت تک کے لئے ختم ہو گئی ۔

بخت نابیدار او در انتباہ آمد چنانک
اعتبار عالمی شد انتباہ ہر دو دل

اس کی بدنصیبی کا ستارہ اس طرح بدبختی میں گھر گیا کہ اب اس کی بدبختی سارے عالم کے لئے اعتبار کی چیز بن گئی یعنی وہ بدبخت ہے ۔ سارا عالم اس پر اعتبار کرلے گا اور یہ بھی جان لے گا کہ بادشاہ سے جو لڑے گا ۔ وہ اسی طرح کی مصیبت عظمیٰ میں گرفتار ہو جائے گا ۔

گر بماند ہر دو دل زین پس مدد سازد فلک
آب دریا را ز چشم پر میاہ ہر دو دل

اگر اس کے بعد ہر دو دل باقی رہا بھی تو وہ اتنا روئے گا کہ اس کی رونے والی آنکھ سے آسمان دریا کے پانی کو بہت بڑھا دے گا ۔ یعنی دریا کا پانی اس کے رونے کی وجہ سے بہت زیادہ ہو جائے گا ، اس کو امداد مل جائے گی ۔

در بمیرد ہر دو دل و فانی اندر بزم ہا

چنبر دف سازد از پشت دوتاہ ہردودل

اس شکست کی وجہ سے ہردودل کی کمر بالکل جھک گئی ہے تو اگر ہردودل مر جائے گا، تو گانے بجانے والے اس کی کبڑی پیٹھ سے ڈھول بناکر محفلوں میں لے جائیں گے، یعنی اس کی کبڑی پیٹھ پر چمڑا لگاکر دف بنالیں گے اور محفلوں میں اس کو بجاکر گانا گائیں گے۔

تو پناہ عالمی و با سپاہ تو نماند

جنگل ہشتاد فرسنگی پناہ ہردودل

اے بادشاہ تو ساری دنیا کو پناہ دیتا ہے، تیری وجہ سے سب کو پناہ نصیب ہوتی ہے۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے کہ تیری فوج کی وجہ سے ہردودل کے لئے اسّی۸۰ کوس کا جنگل بھی پناہ گاہ نہ رہ گیا ہے۔ ہردودل جس نے جنگل میں پناہ لی ہے اور وہ جنگل اسّی۸۰ کوس میں پھیلا ہوا ہے۔ لیکن تیری فوج نے اس کا یہاں بھی ناطقہ بند کر رکھا ہے۔

شد چنان حالش تبہ کاندر جہاں ہرگز مباد

ہیچکس را حال چون حال تباہ ہردودل

اس کا حال ایسا تباہ ہوا ہے کہ خدا کرے، جیسی اس کی حالت بگڑی ہے، دنیا میں کسی اور کی ایسی حالت نہ بگڑے۔

شہریارا از معالی دہ سراجی را بلطف

کرۂ فربہ شدہ از آب و کاہ ہردودل

اے بادشاہ اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے سراجی کو ایسے گھوڑے عطا فرما جو کہ ہردودل کے مرغزار اور چشمے سے پلے ہوں۔ یعنی وہ گھوڑے دے جو کہ ہردودل سے حاصل کئے گئے ہوں۔

اسپکی کردہ چرا در جنگل ہندوستان

کردہ پہلو ہا پر از آب و گیاہ ہردودل

وہ گھوڑے ایسے ہوں، جنھوں نے ہندوستان کے جنگلوں میں پرورش پائی ہو، وہیں چرے ہوں اور جن کے پہلو ہردودل کے چشمے کے پانی اور گھاس سے بھرے ہوئے ہوں۔

وایں بخشم ہمت شاہ جہاں اندک بود
چوں غنیمت داد بسیارش الہ ہردودل

اور یہ بادشاہ کی سخاوت کے اعتبار سے بہت تھوڑا ہے۔ اس لئے کہ بادشاہ کو ہردودل کے بتوں سے کافی مال ملا ہے۔

اس قصیدے سے حسب ذیل نتیجے نکلتے ہیں۔

۱۔ ہردودل اودھ کے اطراف کا ایک آزاد اور زبردست حکمران تھا۔

۲۔ اس نے بادشاہ دہلی کی اطاعت قبول نہیں کی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کی طرف سے کوئی قاصد اس کے پاس گیا تھا۔ جس کو اس نے قید کر لیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دہلی دربار سے کوئی حاکم مقرر ہو چکا ہو اور وہ کسی خطے پر قابض ہو۔ اس کو ہردودل نے پکڑ کر قید کر دیا ہو۔

۳۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جس کو ہردودل نے قید کر لیا تھا۔ ناصر الدین محمود کا بھانجا ہو گا کیونکہ سراجی نے قصیدے کے ایک شعر میں بادشاہ کو رستم کہا ہے اور اس قیدی کو بیژن، جیسا کہ ہم کو معلوم ہے کہ بیژن رستم کا بھانجا تھا۔

۴۔ جنگ میں ہردودل کو شکست ہوئی اور وہ اس اطراف کے ایک گھنے جنگل میں فرار ہو گیا تھا اور وہاں اس نے پناہ لے رکھی تھی۔ شاعر نے اس جنگل کی لمبائی، چوڑائی اسی (۸۰) کوس بتائی ہے۔

۵۔ اشعار سے ہی یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہردودل ابھی مرا نہیں ہے بلکہ جنگل میں وہ اپنی پناہ گاہ میں موجود ہے۔

۶۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی سرجو ندی کے کنارے ہوئی تھی کیونکہ شاعر نے اس ندی کے پانی کو خون کی زیادتی کی وجہ سے دریائے قلزم کے پانی سے تشبیہہ دی ہے۔ جس کے پانی کا رنگ لال ہے۔

جیسا کہ قصیدے کے عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ قصیدہ ناصر الدین محمود کی مدح میں ہے۔ اس کا عنوان ہے۔ " در مدح سلطان ناصر الدین محمود"۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سلطان محمود سے ہی ہردودل کی جنگ ہوئی تھی۔ یہ سلطان بادشاہ التمش کا بیٹا تھا۔ التمش کے دو بیٹے اسی

ایک نام سے گزرے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ اس کا پہلا بیٹا تھا۔ اس لئے کہ بطن غالب سراجی کا تعلق بڑے بیٹے سے تھا۔ اس لئے کہ چھوٹا بیٹا ۶۲۶ھ کے بعد پیدا ہوا تھا، گویا یہ چھوٹا بیٹا شاعر کی کی زندگی میں جوان نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ناصرالدین محمود باپ کی حیات میں (۶۲۳ھ) اودھ کا حکمران بنایا گیا اور اس کی جنگ ایک ہندو سردار سے ہوئی تھی۔ جس کا ذکر طبقاتِ ناصری میں (۲) اس طرح ہے:

" و بعد از مدتی در شہور سنہ ثلاث وعشرین وستمائہ، خطہ اودھ بدو مفوض گشت و آن پادشاہ زادہ، دران دیار آثار پسندیدہ (بسیار منود) و غزوات بسنت کرد، چنانچہ ذکر او بر جولیت و شہامت در عرصۂ ہندوستان منتشر گشت، و برتولعین راکہ صد و بیست و ہزار مسلمان بر دست تیغ او شہادت یافتہ بودند بر انداخت، و بدوزخ فرستاد، و کفار متمرد کہ در اطراف زمین اودھ بودند قمع و قہر کرد، و جماعتی را منقاد گردانید۔"

(۶۲۳ھ میں خطۂ اودھ اس کے سپرد کر دیا گیا اور اس بادشاہ زادہ نے وہاں بہت اچھے کام کئے اور اسلامی جنگ کی۔ یہاں تک کہ اس کی بہادری اور جرأت سارے ہندوستان میں مشہور ہو گئی اور برتولعین کو جس نے کئی لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا تھا جڑ سے اکھیڑ دیا اور جہنم رسید کر دیا اور سرکش لوگوں کو، جو اودھ میں رہتے تھے، ان کا مکمل قمع کیا اور ایک جماعت کو مطیع بنا دیا)

بخوبی ممکن ہے کہ قصیدہ بالا میں جس فتح کا ذکر ہے۔ وہ وہی ہے۔ جس کا ذکر طبقاتِ ناصری میں ہوا ہے۔

اس سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ یہ واقعہ ۶۲۳ھ کے قریب کا ہے۔ اس لئے کہ اسی سال ناصرالدین محمود اودھ کا حکمران ہوا تھا۔

۲۔ واضح ہے کہ برتوہ املائی غلطی کا حامل ہے اور بظن قوی ہردو کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ بالفاظ دیگر طبقات کے نسخوں میں نام کی تصحیف ہے۔ سردار کا نام ہردودل ہی تھا اور چونکہ یہ لفظ بطور قافیہ آیا ہے، اور شاعر اس واقعہ کا ہمعصر شاہد ہے۔ اس بنا پر اس نام کے صحیح ہونے میں کسی قسم

ترتیب و تدوین
سردار علی احمد خاں لاہور

—— الفاظ و معانی

اوّلینِ کائنات

بقول حکماء اوّلین کائنات سے مراد عقل اوّل ہے اور وہ اس لئے کہ واحد سے واحد ہی صادر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ذات واجب الوجود سے یہی ایک فعل یعنی معلول اوّل (عقلِ اوّل) کی ایجاد ظہور میں آئی اور صادر اوّل عقلِ اوّل ہے۔ اس عقل نے عقلِ ثانی اور فلک اوّل کو پیدا کیا اور پھر دوسری عقول و افلاک پیدا ہوتے گئے۔ یہ علل و معلولات ایک دوسرے کے ساتھ "علیّت" اور "معلولیّت" کی نسبت رکھتے ہیں۔ ذات واجب الوجود، جو علّتِ اولیٰ ہے۔ اس کا معلول یہی ایک عقلِ اوّل ہے۔

صوفیا کا خیال ہے کہ صادرِ اوّل، تعیّن اوّل ہے۔ جس سے تمام مخلوق وجود میں آئی اور دوسری موجودات درجات کے تفاوت کے ساتھ اسی تعیّن سے موجود ہوئی۔ علماء اسلام کے نزدیک صادرِ اوّل حقیقت محمدیہؐ ہے۔ خالقِ کُل نے تمام مخلوقات سے پہلے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا۔ چنانچہ تعیّنِ اوّل، حقیقت محمدیہؐ ہے اور دوسری موجودات درجات کے تفاوت سے اس حقیقت سے ظہور میں آئیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی" اور "اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْل" بھی آیا ہے اور دو مختلف امور کا اوّل ہونا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ عقلِ اوّل بھی نورِ محمدیؐ سے عبارت ہے اور دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

اہلِ کلام کے نزدیک صرف "ماہیات" موجود ہیں اور وجود ایک امر منتزع ہے جو ان ہی ماہیات سے ماخوذ ہوتا ہے۔

محققین کے نزدیک صرف وجود موجود ہے اور ماہیات منتزعات ہیں۔ جو اسی وجود سے

ماخوذ ہوتی ہیں کیونکہ حقائق کو " وجود " نے پیدا کیا ورنہ ماہیت محض ایک عقلی بات ہے اور ایک عدمی معنی کی حیثیت رکھتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ اشیاء و افعال کی ایجاد حقیقتاً ذاتِ وجود سے وابستہ ہے۔

ہاں بعض اشیاء کی ایجاد اور بعض افعال کے اکتساب کی نسبت بعض حقائق موجودہ کی جانب مجازاً اس لئے کر دیتے ہیں کہ نورِ وجود ان مظاہرِ منورہ میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ اسی ایک فاعل کی فعلیت ہے جو جزئی مظہر میں جزئی فعل کے ساتھ اور کلّی مظہر میں کلی فعل کے ساتھ مشہود ہوتی ہے ورنہ ماہیت کا مفہوم اپنی ذات کو دیکھتے ہوئے ایک امرِ محروم ہے، سوائے اس ماہیت کے، جس کا وجود عین واجب الوجود ہے۔ اس بناء پر جو حقائق خود معدوم ہیں، وہ موجودات کے موجد کیونکر ہو سکتے ہیں کیونکہ عدم تو آثارِ خارجی کا مبدء نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت نسبتِ فاعلیت اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ممکنات میں جو فی نفسہٖ ذاتِ حق کی مفعولات مصنوعات ہیں، فاعلیت کہاں ہو سکتی ہے۔

فاعل تو وہی یک ذاتِ یکتا ہے۔ پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ ذاتِ واجب الوجود جب وجود میں شریک نہیں رکھتی، تو صفت فاعلی میں بھی جو مرتبۂ واجبی کے ساتھ مخصوص ہے کسی کو کیونکر شریک کر سکتی ہے۔

نُور

لغوی اعتبار سے لفظ نور نکلا تو نار سے ہے لیکن علوم اسلامی میں اس لفظ سے مراد وہ روشنی ہے کہ جو خود ظاہر بالذات اور بنفسہٖ روشن ہو۔ نیز بالطبع یہ نور اپنے ظہور کے ضمن میں غیرِ ذات روشن اور ظاہر کرنے والا ہو اور دوسری اشیاء کو نمایاں کرنے والا ہو۔ اسی طرح علم خود " جاننا " اور دوسری معلومات جاننے کا سبب ہے اور وجود خود " ہستی " ہے اور دیگر موجودات کو جامۂ ہستی عطا کرنے والا۔

نور کے تین درجات ہیں۔ یعنی وجود بھی نور ہے، علم بھی نور ہے اور نور بھی نور ہے۔
بعض حکماء اسلام کے نزدیک نور کا مرتبہ علم کے نیچے کا درجہ ہے اور خود علم وجود کے نیچے

کا درجہ ہے۔ جب کہ نور وجود مراتب انوار میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ علم و نور دونوں ہی وجود کے افراد ہیں اور وجود ان سب پر محیط ہے اور علم کا مرتبہ نور شہودی سے بلند تر ہے۔ اس لئے کہ محسوس ہونے والا نور بصری ہے اور علم محسوس بصری نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی "نور علیٰ نور" سے نور کے مذکورہ مراتب کی تصریح مقصود ہے۔

بلاشبہ تمام ـــــ نور الٰہی ہیں لیکن بلحاظ امتیاز اعتبارات نور وجود کو جو سب سے ارفع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات احدیت نے اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔ گویا واحد لاشریک ہی ذات النور ہے جو خود روشنی ہے۔ خود روشن کرنے والی ہے اور خود ہی روشن ہے۔ یہی حال علم و عالم و معلوم کا ہے۔

لفظ نور، جو سورۂ نور میں آیا ہے۔ اس سے یہ مراد لی گئی ہے کہ خداوند قدوس آسمانوں اور زمینوں کے لئے نور اور روشنی ہے اور ان مظاہر میں اُن نور کے ظہور کے سوا کچھ ظاہر اور اس کے سوا کچھ روشن نہیں ہے۔ (اللہ نور السمٰوٰات والارض)

لہٰذا وہی اوّل ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن اور وہی ہر شے کو جانتا ہے۔ کلمۂ نور سے اسم فاعل مراد ہے، یعنی روشن کرنے والا۔ گویا نور السمٰوٰت والارض کا مطلب یہ ہوا کہ منور السموات والارض، یعنی آسمان اور زمین کا روشن کرنے والا۔

چشم بصیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے تمام ذرات میں کوئی ایک ذرہ بھی نورِ حقیقت سے محروم نہیں ہے۔ چشم بصیرت وا نہ ہو تو علم ظاہر سے اس حقیقت کا انکشاف ممکن نہیں۔ یہ عطیۂ الٰہی ذکر اللہ اور فیض صحبت اہل اللہ سے میسر آتا ہے کیونکہ اسی ذریعہ سے آئینہ دل مجلّیٰ ہوتا ہے اور پھر اس میں ظہور تجلّی کی نمو ہوتی ہے اور " اینما تولوا فثم وجہ اللہ " کے مشاہدہ کا دروازہ رحمت خداوندی سے کھل جاتا ہے۔

اہل علم عرش کو حلقۂ نور کے معنوں میں لیتے ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے بھی دیکھیں اور غور کریں تو عرش کے اوپر ہونے کا تصور کوئی فریب نظر و فہم نہیں ہے۔ یہ تصور زمین کے گول ہونے اور گردش کرنے کے باوجود حقیقی ہے۔ آئزک نیوٹن کے کشش ثقل کی رو سے اوپر اور نیچے کی تشریح یہ ہوگی کہ ہر وہ شے جو زمین کے نقطۂ مرکز کے قریب تر ہو، وہ نیچے کی طرف ہے اور

جو اس سے دور تر ہو، وہ اوپر کی جانب ہے۔ اس لحاظ سے زمین کے باہر کا ہر دائرہ اور ہر طبقہ کسی ایک سماء کے اوپر واقع ہے۔ ایک سماء کے اوپر دوسرا، طبق بر طبق، تو بر تو، تہ بر تہ عالمِ تصور سے پستی سے بلندی کی طرف پرواز کریں تو آپ اس آخری دائرے تک جا پہنچیں جو پوری مادی کائنات بشمول جملہ نظام ہائے کہکشاں کے گرداگرد واقع ہے۔ پھر یہ خیال کریں کہ اس خالق ارض و سما سے یہ کیا بعید ہے کہ اس کا خلق کیا ہوا عرش ایک ایسا غیر مادی حلقۂ نور ہو جو تجلیات الٰہی کا مرکز بھی ہو اور جہاں سے تمام نفوس کو انرجی تقسیم ہوتی ہو۔ عرش بہرحال کوئی ایسی مادی چیز نہیں، جو سنگ و خشت یا سونے چاندی سے بنی ہو اور ایک تختِ شاہی ہو۔ کسی حدود اربعہ پر بنی ہو۔ فی الحقیقت حق تعالےٰ کی کرسی کا پھیلاؤ پورے ارض و سما تک محیط و موجود ہو۔ غرضیکہ جہاں جہاں ہنگامۂ وجود ہے، وہاں وہاں تک خداوند بزرگ و برتر کا تختِ شاہی جملہ مخلوق پر چھایا ہوا ہے۔

عشق، عاشق، معشوق اور محبت، محب و محبوب کے الفاظ سے ہمارا لٹریچر بھرا ہوا ہے۔ عشق و محبت کا تعلق جذبات سے ہے۔ حکماء کی تحقیق کے مطابق دو چیزیں جب ایک جنس کی ہوتی ہیں تو آپس میں ضم ہونے اور ملنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ اس لئے لطیف طبیعتوں کی خواہش اور میلان طبع نفیس صورتوں اور اچھی چیزوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ کسی انسان کے مزاج میں اعتدال کا عنصر جتنا زیادہ ہوگا، اسی قدر اچھی صورتوں، لطیف نغموں اور نیک عادتوں کی طرف اس کا میلان زیادہ ہوگا۔ بدیں وجہ یہ سب پودے ایک ہی چشمے سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اتحاد کی خواہش ضرور ہوگی اور اسی کا نام محبت ہے۔۔

اعتدال مزاج کی شریف نسبتیں جب دو مظہروں اور دو انسانوں میں ظاہر ہوں گی تو لازمی طور سے ایک میں کم اور دوسرے میں زیادہ ہوں گی۔ اس کا سبب استعدادوں، اور قابلیتوں میں باہم فرق ہے۔ عاشقی اس طرف سے ظاہر ہوتی ہے۔ جس طرف یہ نسبتیں کم ہوں اور معشوقیت اس طرف جلوہ پیرا ہوتی ہے۔ جس طرف یہ اوصاف زیادہ ہوں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جو چیز زیادہ قوی ہوتی ہے۔ وہ کمزور کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ اسی لئے عاشقی فنا چاہتی ہے اور معشوقیت بقا کی خواہاں ہوتی ہے۔

انسان کے دل میں محبت پیدا ہونے کے محرکات واسباب ہیں حسن وجمال ، جود و احسان ، ہر قسم کا کمال اور باہمی روحانی مناسبت ۔

لغوی اعتبار سے لفظ "عشق" عشقہ سے ماخوذ ہے ۔ جسے ہماری زبان میں عشق پیچاں کی بیل کہا جاتا ہے ۔ یہ بیل جس پودے یا درخت سے لپٹ جاتی ہے ، اسے خشک کر دیتی ہے ۔ اسی طرح جب عاشق کے دل میں عشق پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا تحمل وجود بھی معشوق کی تجلی میں محو ہو جاتا ہے اور بالآخر اس کے قلب سے غیر معشوق معدوم ہو جاتا ہے ۔ نیز خود عاشق کی ذات فنا ہو جاتی ہے اور معشوق ہی معشوق رہ جاتا ہے ۔

لفظ "محبت" حبۃ سے مشتق ہے ۔ حبۃ ایک بیج ہے جو زمین پر پڑتا ہے اور اس کے اندر پوشیدہ ہو جاتا ہے ۔ اس پر بارش پر پڑتی ہے ۔ پھر سورج چمکتا اور حرارت بخشتا ہے ۔ سردی ، گرمی کے موسم اس پر گزرتے ہیں لیکن بیج وہیں کا وہیں رہتا ہے اور پھر اپنے وقت پر وہ اگتا اور بار آور ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح جب محبت کا دل میں قرار ہوتا ہے تو یہ بھی حضور و غیبت ، بلا و محنت ، راحت و لذت ، فراق و وصال سے متغیر نہیں ہوتی بلکہ اس کا نشو و نما ہوتا رہتا ہے اور برگ و شاخ اور شگوفے اس میں پیدا ہوتے ہیں ۔

جو عشق صورت سے متعلق ہوتا ہے ۔ وہ تین طرح کا ہے ۔ ایک یہ کہ عاشق ظاہری صورت میں معشوق حقیقی (خدا تعالیٰ) کا اس طرح مشاہدہ کرتا ہے ۔ جس طرح انسان آئینے میں اپنی صورت دیکھتا ہے کہ آئینہ اس کی نظر میں معدوم ہوتا ہے ۔ یہ عشق صورت نہیں سمجھا جاتا ۔ اس حال کے لوگ حسین چہروں اور جمیل صورتوں میں خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں ۔

دوسری شکل یوں ہے کہ عاشق اگرچہ حق سبحانہٗ کا مشاہدہ کرتا ہے مگر اس کا یہ مشاہدہ کسی خاص صورت میں منحصر ہو کر رہ جاتا ہے ۔ یہ مرتبہ پہلے مرتبے سے کم درجہ کا ہے ۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عاشق کسی صورت کے ظاہری رنگ و روپ سے محبت کرتا ہے ۔ اس کا محبوب وہ ظاہری صورت ہے ، جب کہ باطن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ۔ یہ فی الحقیقت عشق نہیں ، صورت پرستی ہوگی ، جو رنگ و روپ کے زوال کے بعد حسرت و ندامت بن جائے گی ۔

ہمارے صوفیاء عظام کا نظریہ یہ ہے کہ یہ عالم حسن ازل کا مظہر ہے لیکن اس کے جملہ مظاہر

استعداد کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ مثلاً سورج کے ایک ہونے کے باوجود ہر آئینے میں اس کا عکس مختلف ہوتا ہے اور اس آئینے کی استعداد کے مطابق ہی اس میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان مظاہر سے کیا صوفی اور کیا غیر صوفی، ہر کوئی دیکھنے والا متاثر ہوتا ہے لیکن غیر صوفی اس مظہر کی رعنائی میں محو ہو کر ظاہر کو بھول جاتا ہے لیکن صوفی مظہر میں ظاہر کو اور آئینے میں آفتاب حقیقت کو دیکھتا ہے اور مجاز سے حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔ "المجاز قنطرۃ الحقیقۃ" (مجاز حقیقت کا زینہ ہے) لیکن یہ کام مرشد کا کہ سالک اس مجاز سے حقیقت تک اور کثرت سے وحدت تک پہنچا دے کیونکہ حقیقت میں مجاز اور حقیقت میں فہم اور اعتبار ہی کا فرق ہے ورنہ مجاز عین حقیقت ہے۔

اہل طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ خدا تعالےٰ سے عشق اہم مطلوب ہے لیکن بندے کے عشق پر خدا کا عشق مقدم ہے کیونکہ وہ ازلی ہے۔ عشق خدا تعالےٰ کی صفت بھی ہے اور انسان کی بھی کیونکہ عشق کی حقیقت ایک ہی ہے۔

علامہ جلال الدین دوّانی کے بقول عشق روحانی، حکمائے الٰہین اور صوفیا کا شعار ہے۔ اس عشق سے نفس میں لطافت اور روح میں نور پیدا ہوتا ہے۔ جب عشق کا خورشید جہاں افروز روح انسانی کے افق سے طلوع ہوتا ہے تو طبیعت کی کثافتیں مغرب عدم میں غروب ہو جاتی ہیں۔

ایک حدیث بیان کی جاتی ہے۔ "جو عاشق ہوا، اور پاک باز رہا، پھر وفات پا گیا، تو وہ شہید ہے۔"

جلال الدین رومیؒ نے فرمایا ہے کہ عشق ہی وہ ذریعہ ہے۔ جس سے خاکی جسم افلاک کی پہنائیوں میں پہنچ سکتا ہے اور بلندی و عروج کی آخری منزلیں بھی اس کے قدموں تلے ہو سکتی ہیں۔

عشق ہی مومن عاشق کو مقام "ولائیت" پر فائز کرتا ہے اور وہاں سے مقام "شیخیت" پر لے جانے کا نام ہے۔ یاد رہے کہ مقام ولائیت صوفیا کرام کی اصطلاح میں "فنا فی اللہ، بقا باللہ اور ظہور باسم اللہ و صفاتہ کا نام ہے اور مقام مشیخیت اللہ تعالےٰ کے اذن و حکم

سے عالمِ ملک و ملکوت میں تصرف کا نام ہے۔

محبت (یا افراطِ محبت، جو عشق ہے) کے انسانی دل میں پیدا ہونے کے پانچ ہی سبب ہیں۔ یعنی محبتِ نفس، احسان، کمال، جمال، نسبت ظاہری و باطنی اور یہ سارے اسباب و مقتضیات حق تعالےٰ میں کامل طور پر جمع ہیں۔ لہذا محبت یا عشق کا استحقاق ذات باری تعالےٰ ہی ہے اور اربابِ بصیرت کے نزدیک قابل پذیرائی صرف محبت الٰہی ہے۔

ہم اکثر عشق خدا اور عشق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ سنتے رہتے ہیں۔ اس بارے میں جو اشتباہ کسی کج فہم کو ہو سکتا ہے۔ اس کے بارے میں ایک مثال قابل غور ہے اگر ایک عالم قلم، کاغذ اور سیاہی کو عزیز رکھتا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علم کا عاشق نہیں محبوب لذاتہ تو صرف ایک ہی ہونا چاہیئے لیکن دوسری چیزوں سے محبت، جو محبوب سے متعلق ہیں، محبوب کی محبت میں حائل نہیں ہوتی اور نہ اس محبت کے لئے نقصان رساں ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو بندہ خدا تعالےٰ کا عاشق ہے۔ وہ ضرور رسول خدا کو عزیز رکھے گا اور اپنے شیخ سے بھی محبت کرے گا، جو موصل الی المطلوب ہیں۔ اب غور کریں کہ کائنات میں جو بھی چیز پائی جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ ہی کا فعل و صنع یا کاری گری ہے۔ جس چیز سے آپ محبت کریں تو یہ گویا خدا ہی کے فعل و صنع سے کرو گے۔ پس عشق و عاشق کے مقام کا کمال یہ ہے کہ ہر محبت حق تعالےٰ ہی سے محبت ہے۔ مجاز کا یہاں نام نہیں۔ جب عاشق فعل و صنعِ معشوق کو دوست رکھتا ہے تو یہ دوستی و محبت غیر معشوق سے دوستی و محبت نہیں ہے کیونکہ سب ہی اللہ کی مخلوقات ہیں اور اسی کے ہی فعل و کاری گری کا نتیجہ ہیں۔ لہذا کسی شے کو واسطہ کی حیثیت سے عزیز رکھنا۔ شرکت فی المحبت، نہیں کہلائے گی اور محبوب حقیقی کی محبت کی راہ میں حجاب متصور نہ ہوگی۔ اپنی معرفت کتاب رموز عشق میں ڈاکٹر میر ولی الدین نے اس پر سیر حاصل تبصرہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ بغیر عشق اس بات کا امکان نہیں کہ انسان کی رسائی حقیقت تک ہو۔ حقیقت مجاز پر موقوف ہے اور یہ بات بدیہیات سے ہے کہ حکام الٰہی کی معرفت ارسال رسل کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ ان ہی رسولوں کے توسط سے ہمیں ان احکام کا علم ہوا اور ہم دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ جنت میں داخلہ کے

رئیس نعمانی. علی گڑھ
بھارت

مہرِ جہاں تاب

کتاب خانۂ شبلی نعمانی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کا

ایک نادر فارسی مخطوطہ

کم و بیش سو سال پہلے (۱) جب رامپور، پٹنہ اور حیدر آباد کے کتب خانے آج کی طرح وسیع معروف اور عام اہل قلم کے استفادے کی دسترس میں نہ تھے، ہندوستان کے مختلف شہروں سے مجتمع ہونے والے علمائے دین اور مسلم دانش وروں نے ندوۃ العلماء کی تحریک کی تشکیل کی، جس نے لکھنؤ میں ایک دار العلوم قائم کیا جو آج عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کے ایک ممتاز مرکز کی حیثیت سے پوری دنیا میں معروف ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے مؤسسین کے بنیادی مقاصد میں ایک بڑے کتب خانے کا قیام بھی شامل تھا جو مذکورہ دار العلوم کی تاسیس کے چند ہی سال بعد عمل میں آ گیا تھا اور اب عالمی شہرت کا ایک اہم اسلامی اور مشرقی کتب خانہ ہے۔ یہ کتب خانہ پہلے کتب خانۂ ندوۃ العلماء کے نام سے معروف تھا لیکن چند سال قبل جب کتب خانہ اپنی عظیم الشان نو تعمیر بلڈنگ میں منتقل کیا گیا تو ہندوستان کے مشہور عالم مؤرخ، ادیب، نقاد اور شاعر اور دار العلوم ندوۃ العلماء اور اس کے کتب خانے کی تعمیر و ترقی میں تاریخ ساز حیثیت کے مالک علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی حق شناسی کے طور پر اس کتب خانے کا نام "کتب خانۂ شبلی نعمانی" کر دیا گیا اور اس نام کا سنگین کتبہ کتب خانے کی عمارت کے صدر دروازے کے پاس ایک دیوار میں نصب کر دیا گیا ہے۔

کتب خانۂ شبلی نعمانی میں بالفعل تقریباً ایک لاکھ عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور ہندی کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ مطبوعات کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی اور اردو کے کم و بیش چار ہزار مخطوطات بھی اس کتب خانے کی زینت اور اہل علم و تحقیق کے استفادے کا وسیلہ ہیں۔ جن میں

سے کم و بیش ایک سو مخطوطات کو مختلف حیثیتوں سے نادر قرار دیا جا سکتا ہے۔ مہر جہاں تاب تالیف مولانا سید حکیم فخرالدین خیالی رائے بریلوی اس کتب خانے کے چند نادر ترین مخطوطات میں سے ہے۔ جس کا منحصر بفرد نسخہ مؤلف مرحوم کے پوتے ڈاکٹر سید عبدالعلی مرحوم کے ذخیرۂ کتب سے کتب خانۂ شبلی نعمانی میں منتقل ہوا ہے۔

مہر جہاں تاب تیرھویں صدی ہجری کے آواخر اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں تالیف ہونے والی ایک ضخیم اور گراں قدر کتاب ہے جو کئی حیثیتوں سے قابل اعتنا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس نادر مخطوطے کا مختصر تعارف ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

مؤلف مہر جہاں تاب

مولانا حکیم سید فخرالدین حسنی رائے بریلوی جو پہلے فخرؔ اور میرؔ اور آخر میں خیالیؔ تخلص کرتے تھے رائے بریلی کے حسنی خاندان کے ایک بزرگ مولانا سید عبدالعلی کے فرزند ارجمند تھے اور جیسا کہ مہر جہاں تاب (۲) اور نزہتہ الخواطر (۳) سے منکشف ہوتا ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب تقریباً چونتیس واسطوں سے جناب سید حسن مثنیٰؒ بن سیدنا حسن مجتبیٰ فرزند اکبر خلیفۂ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ملتا ہے اور چونکہ حضرت علیؓ کے فرزند ثانی سیدنا حسین شہید کربلاؓ کی ایک دختر سیدہ فاطمہ صغریٰ، سید حسن مثنیٰؒ کی زوجیت میں تھیں۔ اس نسب سے یہ خاندان حسینی بھی کہلاتا ہے۔ (۴) اس خاندان میں بہت سے علماء و صلحاء گزرے ہیں۔ جن کے حالات تذکرۂ شاہ علم اللہ (۵) نزہتہ الخواطر (۶)، گل رعنا، تذکرۃ الابرار (۷)، سیرت سید احمد شہید (۸)، حیات عبدالحی (۹)، کاروانِ ایمان و عزیمت (۱۰)، مہر جہاں تاب (۱۱) اور سیرت السادات (۱۲) میں مذکور ہیں۔

سید فخرالدین خیالی ۱۲۵۶ھ (۱۳) میں رائے بریلی میں تکیہ شاہ علم اللہ حسنیؒ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم رائے بریلی میں حاصل کی۔ پھر ناگور چلے گئے۔ جہاں ان کے والد مولانا سید عبدالعلیؒ تحصیلدار تھے۔ وہاں اپنے والد کے علاوہ مولانا محمد طہٰ نصیر آبادی (۱۴)، حکیم احمد جان دہلوی اور مولانا علی بخش جائسی سے مختلف علوم کا درس لیا۔ ۱۲۶۹ھ میں جب ان کے والد کی وفات ہو گئی،

تو سید خیالی رائے بریلی آگئے اور کچھ عرصے تک اپنے نانا مولانا سید محمد طاہر حسنی (۱۵) سے (جو والد کی وفات کے بعد ان کی کفالت کے ذمہ دار ہو گئے تھے) اور مرزا رحیم اللہ (۱۶) سے استفادۂ علوم کیا۔ ۱۲۸۳ھ میں وارد لکھنؤ ہوئے اور مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (۱۷)، حکیم محمد یعقوب لکھنوی (۱۸) نیز منشی امیر اللہ تسلیم (۱۹) کی خدمت میں رہ کر دینی، طبی اور ادبی علوم کی تکمیل کی اور ساتھ ہی فن خطاطی میں بھی دستگاہ بہم پہنچا کر رائے بریلی لوٹ آئے اور سید خواجہ احمد بن یاسین نصیر آبادی (۲۰) کے ہاتھ پر بیعت طریقت کر کے استفادۂ باطن اور منازل سلوک طے کرنے کے بعد خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ برسوں تک طلب معاش کے سلسلے میں بلے ور، اودے پور، ٹونک، حیدر آباد اور بھوپال میں مقیم رہے۔ آخر عمر میں پھر رائے بریلی آگئے اور وہیں ۱۳۲۶ھ (۲۱) میں ان کی وفات واقع ہوئی۔

سید خیالی کے سیرت و کردار کے بارے میں اگر گل رعنا اور نزہۃ الخواطر کی تحریروں کا چند الفاظ میں خلاصہ کیا جائے تو اس طرح ہوگا کہ ...... وہ ایک مطمئن، صابر، شاکر، قانع، متواضع، تنہائی پسند اور پختہ رائے انسان تھے۔ ہمیشہ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ دوست دشمن سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتے تھے۔ دینی فرائض کی بجا آوری اور خدمت خلق کے کاموں پر پوری توجہ صرف کرتے تھے۔ ہر حال میں اعمال صالحہ کے ذریعے نجات آخرت کی فکر ان پر غالب رہتی تھی۔ خوراک، پوشاک اور زندگی کے تمام طور طریقوں میں ہمیشہ سادگی پسند کرنے والے اور تکلفات سے پرہیز کرنے والے تھے۔ خود نمائی اور اظہار کمال کو کبھی اچھا نہیں جانتے تھے اور مختصر یہ کہ ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ایک مرد مومن تھے۔

جیسا کہ سید خیالی کے قابل فخر فرزند اور ہندوستان کے مشہور عربی تذکرہ نویس مولانا سید عبدالحی نے لکھا ہے۔ خیالی نے بہت سی کتابیں تالیف کی تھیں لیکن ان میں سے اکثر دستبرد زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں۔ (۲۲) تاہم ان کی جو تالیفات موجود ہیں۔ وہ مختلف علوم و فنون میں مؤلف کی وسعت معلومات اور عربی، فارسی و اردو زبانوں پر ان کی قدرت کی شاہد ہیں۔ جن میں سے قابل ذکر کتابیں یہ ہیں ا۔ سیرۃ السادات، سیرت علمیہ، تجربات خیالی، فخر المطالب، ترجمہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، حواشی شرح وقایہ، سبیل النجاۃ و ترجمہ سبیل النجاۃ، مجمع البحرین، نگارخانۂ

چین، مخیات خیال، واردات خیالی، نثر خیالی، آئینہ خیالی، مسدس خیالی، جہاد تسلیم، ماہ و خورشید، دیوان فارسی، دیوان اُردو، عربی کے متفرق اشعار اور مہر جہاں تاب۔ ان تالیفات میں سے بعض عربی میں ہیں اور بعض فارسی اور اردو میں۔ بعض شائع ہو چکی ہیں اور بعض ہنوز اشاعت کے انتظار میں ہیں۔ جن میں سب سے اہم اور مؤلف کا ممتاز ترین کارنامہ بھی مہر جہاں تاب ہے (۲۳)

مہر جہاں تاب کا سبب تالیف

مہر جہاں تاب حادثاتی طور پر یا کسی انوکھے تجربے کی حیثیت سے وجود میں نہیں آئی، بلکہ بہت سے دوسرے مصنفوں کی طرح مولانا خیالی کی بھی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنی کوئی ایسی تصنیفی یادگار دنیا میں چھوڑ جائیں۔ جس کی وجہ سے ان کا نام بھی دوسرے زندہ جاوید مؤلفوں کے سلسلے میں شامل ہو کر رہتی دنیا تک باقی رہے۔ چنانچہ حمد و نعت کے بعد وہ خود مہر جہاں تاب کے دیباچے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

"...... بدین روش روشن نامی، این دست گرفتۂ گمنامی ہم خواست کہ بانگارش داستان بزرگان، سرگذشت روزگار خود دست و گریبان کند، و خود را نیز سبزہ مانند دریای بہ آن نکوہان پیوندد۔ باشد کہ بہ این نگارش کام نگار این ناکام بر تخت نشیند و در برابر گل کوشش زندہ داشتن نام بلند نامان روی جاوید زندگانی بیند ......" (۲۴)

زمانہ تالیف و کتابت

جیسا کہ مؤلف نے دیباچے میں وضاحت کی ہے۔ وہ اپنی عمر کے تینتیسویں سال سے ۱۳۱۸ھ (یعنی اپنی وفات سے آٹھ سال پہلے) تک مہر جہاں تاب کے لئے مواد کی فراہمی اور ساتھ ہی ساتھ اس کی ترتیب و تشکیل میں مشغول رہے۔ اس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ مہر جہاں تاب کی تالیف کی مدت ۱۲۸۸ھ سے ۱۳۱۸ھ تک کے اکتیس برسوں پر محیط ہے اور چونکہ یہ نسخہ خود مؤلف کا دست نویس ہے، لہٰذا اس کی کتابت کا زمانہ بھی وہی قرار پائے گا جو اس کی ترتیب

کا زمانہ ہے۔

مہرجہاں تاب کے مآخذ و منابع

مہرجہاں تاب کی جلد اوّل کے ص۲ پر مؤلف نے مختلف موضوعات پر متقدمین و متاخرین کی ۱۶۱ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ جن سے انہوں نے اپنی کتاب کی تالیف میں اخذ و استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں عربی اردو، ہندی اور فارسی کے شعراء کے بہت سے دواوین اور دیگر تحریریں بھی مؤلف کے پیش نظر رہی ہیں۔ جن کے نام فہرست ماخذ میں درج نہیں ہیں لیکن متن کتاب میں جابجا ان کے حوالے موجود ہیں۔

مہرجہاں تاب کی فہرست مراجع پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جن کتابوں سے سید خیالی نے استفادہ کیا ہے۔ ان میں سے اکثر کے مؤلفین اپنے اپنے موضوع پر قابل اعتبار ہیں۔ لیکن افسوس کہ واقدی جیسے افسانہ طراز اور سخن باز مصنفوں کے نام بھی اس فہرست میں نظر آتے ہیں مگر یہاں یہ نقطہ نظر انداز نہیں ہونا چاہیئے کہ سید فخرالدین خیالی ادیب، طبیب، صوفی اور شاعر سب کچھ سہی لیکن محقق نہیں تھے اور خود انہوں نے محقق ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا ہے۔ وہ جس طرح اپنی عملی زندگی میں اپنے بیگانے سب کے ساتھ خوش گمان رہتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی تالیفات میں بھی ہر طرح کی تحریروں سے اخذ و اقتباس کر کے رنگا رنگ جلووں کی آمیزش سے ایک نگارخانہ سجایا ہے۔ جس کی نظیر اگر نایاب نہیں، تو کمیاب ضرور ہے۔

تسمیۂ کتاب

کتاب کا نام "مہرجہاں تاب" کسی اور کے مشورے یا تجویز سے نہیں رکھا گیا بلکہ خود مؤلف نے یہ نام متعین کیا ہے۔ جس کی وضاحت دیباچے میں یوں کی گئی ہے،

"......... از آن کہ این نامہ بیشتری از جہانیان را سرگذشت نماست، و
چون مہر گیتی روشن فراست، مہرجہاں تابش خواندم ...." (۲۵)

کاتب اور خط

جیساکہ مذکور ہو چکا ہے کہ یہ نسخہ خود مؤلف کا دست نویس ہے۔ اس کے بیشتر اوراق خطِ شکستہ میں لکھے گئے ہیں جو بقول سید عبدالحی ایک عجیب شیرینی رکھتا ہے۔ (۲۶) لیکن چونکہ پوری کتاب ایک وقت اور ایک ہی موڈ میں نہیں لکھی گئی ہے بلکہ مختلف اوقات میں اور ۳۱ برسوں تک لکھی جاتی رہی ہے اور اس وجہ سے تمام کتاب کے خط میں یکسانیت نہیں پائی جاتی، اور خط شکستہ کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ معمولی نستعلیق اور کہیں کہیں خوشنما نستعلیق خط بھی موجود ہے۔

سائز اور سطور

کتاب کی جلد اوّل تین حصوں میں مجلد کرائی گئی ہے۔ ان تینوں مجلدات کا سائز طولاً ۲۹ سینٹی میٹر اور عرضاً ۱۹ سینٹی میٹر ہے۔ جلد ثانی دو حصوں میں مجلد ہے۔ جن میں سے مجلد اوّل کا سائز طولاً ۲۶ اور عرضاً ۲۰ سینٹی میٹر ہے اور جلد دوم کا سائز طولاً ½۲۱ اور عرضاً ۲۰ سینٹی میٹر ہے۔

پوری کتاب کا خط اور سائز یکساں نہ ہونے کی وجہ سے سطور کی تعداد میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ جلد اوّل کے تینوں مجلدات کے اکثر صفحات میں سطور کی تعداد ۲۱ ہے اور کسی کسی صفحے میں اس سے زیادہ بھی۔ جلد ثانی کے مجلد اوّل کے ہر صفحے میں سطور کی تعداد ۱۸۔۱۹ ہے لیکن اسی جلد کے مجلد ثانی کے صفحات میں سطور کی تعداد ۱۵ سے ۳۰ تک ہے۔

تعداد صفحات

مہر جہاں تاب کے پانچوں مجلدات کے صفحات اس طرح ہیں:

مجلد اوّل از جلد اوّل صفحہ ۱ تا ۴۲۴، مجلد دوم از جلد اوّل صفحہ ۴۲۵ تا ۸۶۸، مجلد سوم از جلد اوّل صفحہ ۸۶۹ تا ۱۳۸۰، مجلد اوّل از جلد ثانی صفحہ ۱ تا ۶۰۰، مجلد دوم از جلد ثانی صفحہ ۶۰۱ تا ۸۸۲۔

مجموعی طور پر جلد اوّل ۱۳۸۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور جلد ثانی ۸۸۲ صفحات کو محیط ہے اس طرح دونوں جلدوں کے کل صفحات کی تعداد ۲۲۶۲ ہے۔

کیفیت نسخہ

تقریباً ایک صدی گزر جانے کے باعث پہلی جلد کے تینوں مجلدات کے کاغذ کا رنگ تبدیل ہو چکا ہے اور اوراق بوسیدہ ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے جلد بندی کے وقت جلد اوّل کے تمام اوراق پر بٹر پیپر چسپاں کرا دیا گیا ہے تاکہ زیادہ دنوں تک محفوظ رہ سکیں۔ تاہم نسخہ قابل استفادہ ہے۔ جلد ثانی کے دونوں مجلدات جلد اوّل سے نسبتاً بہتر حالت میں اور زیادہ قابل استفادہ ہیں

دوسرے نسخے

جیسا کہ اوپر بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ مہر جہاں تاب کا منحصر بفرد نسخہ کتب خانہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں محفوظ ہے اور کسی دوسری جگہ اس کی کوئی مطبوعہ کاپی یا خطی نقل موجود نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ چند سال قبل مؤلف کے نام آور فرزند مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے اس کی جلد اوّل کی مائیکروفلم تیار کرائی تھی لیکن جلد ثانی کا کسی بھی طرح کا کوئی دوسرا نسخہ ہنوز وجود میں نہیں آیا ہے۔

مضامین مہر جہاں تاب کا اجمالی خاکہ

مہر جہاں تاب کو مؤلف نے دو جلدوں میں منقسم کیا ہے۔ جلد اوّل میں تین دفتر ہیں۔ پہلا دفتر "ذکر" کی سرخیوں کے ساتھ ۳۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں بالترتیب مندرجہ ذیل ۳۲ علوم و فنون کا بیان ہے۔

۱۔ اصول دین، ۲۔ تفسیر، ۳۔ حدیث، ۴۔ اصول فقہ، ۵۔ تصریف، ۶۔ نحو، ۷۔ معانی ۸۔ بیان، ۹۔ بدیع، ۱۰۔ خط، ۱۱۔ قرأت، ۱۲۔ تصوف، ۱۳۔ فرائض، ۱۴۔ منطق، ۱۵۔ ہیئت، ۱۶۔ ہندسہ، ۱۷۔ طب، ۱۸۔ تشریح، ۱۹۔ عروض و قوافی، ۲۰۔ انفاس، ۲۱۔ تعبیر خواب، ۲۲۔ موسیقی، ۲۳۔ فراست، ۲۴۔ تکسیر، ۲۵۔ جفر، ۲۶۔ نجوم، ۲۷۔ احکام، ۲۸۔ آثار، ۲۹۔ احاجی، ۳۰۔ آثار علویہ و سفلیہ، ۳۱۔ احتساب، ۳۲۔ احوال و آثار رواۃ حدیث۔ یہ دفتر

کتاب کے صفحہ ا تا ۱۵۱ پر محیط ہے۔

دفترِ دوم جو کتاب کے صفحہ ۱۵۱ تا ۴۸۷ پر بسوط ہے۔ دو "تذکروں" پر مشتمل ہے۔ تذکرۂ اوّل میں "ذکر" کے عنوانات کے ساتھ ۱۰ باب ہیں۔ جن میں دس انسانی طبقوں یعنی ۱۔ انبیاءؑ ۲۔ خلفاء، ۳۔ ائمہ اثنا عشرؒ، ۴۔ عشرۂ بشرہؓ، ۵۔ عام صحابہؓ، ۶۔ تابعینؒ، ۷۔ اتباع تابعینؒ ۸۔ مجتہدین، ۹۔ قرأ سبعہؒ، ۱۰۔ محدثین و فقہا اور علمائے شریعت کا احوال درج ہے۔

دفترِ دوم کے تذکرۂ دوم میں دو "ذکر" ہیں۔ ذکر اوّل میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے مُصلحوں کا بیان ہے اور ذکر دوم میں مؤلف کے اپنے زمانے کے کے اولیائے امتِ محمدیہ کے حالات ہیں۔

اس جلد کا دفترِ سوم جو صفحہ ۴۸۷ تا ۱۳۰۸ پر حاوی ہے۔ تین "تذکروں" پر مشتمل ہے۔ پہلے تذکرے میں قدیم اور متأخر حکماء و اطباء کے حالات درج ہیں اور مؤلف نے اپنا مفصل احوال بھی سنین کی ترتیب کے ساتھ اسی تذکرے میں قلمبند کیا ہے جو ۹۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

دوسرے تذکرے میں پانچ "ذکر" ہیں۔ جن میں ۱۔ عرب و عجم و ہند کے عربی شعراء، ۲۔ ایران و ہند کے فارسی شعراء، ۳۔ ریختہ گویان ہند، ۴۔ شعراء زبان ہندی اور ۵۔ چند انگریزی مؤلفین کا احوال مذکور ہے۔ اس تذکرے کا سب سے مفصّل حصّہ وہ ہے۔ جس میں ایران و ہندوستان کے فارسی شعراء کا احوال درج ہے۔ یہ حصّہ ۲۹۸ صفحات کو محیط ہے۔

تیسرے تذکرے میں نو "ذکر" ہیں۔ جن میں مندرجہ ذیل نو زبانوں سے قاری کو واقف کرایا گیا ہے۔

۱۔ سنسکرت، ۲۔ تلنگی، ۳۔ کنڑی، ۴۔ مرہٹی، ۵۔ پشتو، ۶۔ اڑیا، ۷۔ حبشی، ۸۔ ترکی ۹۔ سندھی، آخر میں "خاتمہ" کے عنوان سے چند متداول اور غیر متداول خطوط کا ذکر ہے۔

جلد ثانی کے مضامین

مولانا خیالی کا خیال تھا کہ جلد ثانی کو پانچ دفتروں میں ترتیب دیں اور ان پانچ دفتروں کو قدیم زمانوں سے اپنے عہد تک کل عالم اور اہل عالم کے تاریخی و جغرافیائی احوال و اذکار ایک جامع

مرقع بنادیں۔ (۲۷) لیکن ابھی وہ پہلا دفتر بھی مکمل نہیں کر پائے تھے کہ اس طرح کی تالیفات کے قدر دانوں اور فارسی زبان کا شوق رکھنے والوں کی روز افزوں کمی کے احساس سے ان کا دل سرد اور حوصلہ پژمردہ ہو گیا اور انھوں نے اپنا ارادہ بدل کر پوری کتاب کو دوبارہ اردو زبان میں لکھنے کا ارادہ کر لیا اور یہ کام وہ شروع بھی کر چکے تھے لیکن ان کی صحت اور زندگی نے مساعدت نہ کی اور اردو میں تھوڑے سے صفحات ہی لکھ سکے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ (یہ صفحات بھی اس وقت کتب خانۂ شبلی نعمانی، ندوۃ العلماء لکھنؤ میں محفوظ ہیں)

بہر حال، جلد ثانی کے پانچ متخیلہ دفتروں میں سے جو ایک کسی قدر نامکمل دفتر مولانا خیالی لکھ چکے تھے۔ وہ ۸۸۲ صفحات میں بسوط ہے اور دو "تذکروں" پر مشتمل ہے۔ جن میں سے پہلے تذکرے میں ایشیا کے جغرافیہ و تاریخ کا بیان ہے۔ اس میں پانچ باب ہیں۔ باب اول ممالک شمالی کے بیان میں، باب دوم ممالک جنوبی کے بیان میں، باب سوم ممالک مغربی کے بیان میں، باب چہارم ایشیائے وسطی کے ممالک کے بیان میں، باب پنجم ممالک مشرقی کے بیان میں۔

اس دفتر کا دوسرا تذکرہ بھی پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل جو ممالک مغربی اور ایشیائے وسطی کے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے حالات کے بیان میں ہے۔ اس کی ۵۱ "فصلوں" میں مندرجہ ذیل عنوانات ہیں۔

۱۔ پیشدادیان، ۲۔ کیانیانیان، ۳۔ اشکانیان، ۴۔ کسرایان، ۵۔ تبابعۂ یمن، ۶۔ ملوک شرفاد مکہ مکرمہ، ۷۔ بنی امیۃ، ۸۔ بنی عباس، ۹۔ ملوک طوائف، ۱۰۔ صفاریان، ۱۱۔ سامانیان، ۱۲۔ سمجوریان، ۱۳۔ غزنویان، ۱۴۔ غوریان، ۱۵۔ آل بویہ، ۱۶۔ ۱۷۔ سلجوقیان، ۱۸۔ خوارزم شاہیان ۱۹، ۲۰، ۲۱۔ اتابکان، ۲۲۔ ملمدان قہستان، ۲۳۔ قراختائ کرمان، ۲۴۔ انطاکیان، ۲۵۔ شلیقیان، ۲۶۔ معکوجیان، ۲۷۔ خانان ترک، ۲۸۔ تاتاریان، ۲۹۔ مغولان، ۳۰۔ النقوانیان، ۳۱، ۳۲، ۳۳۔ چنگیز و چنگیزیان، ۳۴۔ جغتائیان، ۳۵۔ ششنبانیان، ۳۶۔ کانان کاشغر، ۳۷۔ چوپانیان ۳۸۔ ایلخانیان، ۳۹۔ شیرازیان، ۴۰۔ مظفریان، ۴۱۔ کرتیان، ۴۲۔ سربداران، ۴۳، ۴۴۔ تیمور گورکان و گورکانیان، ۴۵۔ قراقونیلوی عراق، ۴۶۔ ملوک آق قونلو، ۴۷۔ صفویان، ۴۸۔ نادرشاہ ۴۹۔ زندیان، ۵۰۔ گرجانیان، ۵۱۔ شروانیان۔

باب دوم میں شاہان بنی اسرائیل کا بیان ہے ۔ جن کے لئے "طبقہ" کا عنوان اختیار کیا گیا ہے ۔ طبقۂ اوّل رجعام سے صدقیاہ تک اور طبقۂ دوم حاکمان سمرون کے ذکر میں ہے ۔ باب سوم شاہان جنوب کے احوال میں ہے ۔ اس میں تین فصلیں ہیں ۔ پہلی فصل شاہان انام سیام ، برہما وغیرہ کے بیان میں ، دوسری فصل شاہان ہندوستان اور ان کے طبقات کے بیان میں ، تیسری فصل میں دس " ذکر" ہیں :۔

۱۔ غوریان ، ۲۔ خلجیان ، ۳۔ تغلقیان ، ۴۔ خضرخانیان ، ۵۔ لودیان ، ۶۔ تیموریانِ ہند ، ۷۔ انگریزوں کا تسلط ، ۸۔ آسام ، احمدنگر ، بنگالہ ، بیدر ، بیجاپور ، برہما ، پونا ، ناگپور ، بنگش ، جونپور خاندیش ، سندھ ، کشمیر ، گجرات ، حیدرآباد ، حسن آباد ، لاہور ، ملتان ، مالوہ ، مانڈو وغیرہ کی زوال پذیر ہندوستانی ریاستوں کا ذکر ، ۹۔ انگریزوں کے ماتحت راجاؤں اور نوابوں کا احوال ، ۱۰۔ تعلقہ داران اودھ کے حالات ۔

بابِ چہارم میں شاہانِ ممالک شمالی کا ذکر ہے ۔

بابِ پنجم میں چین و جاپان کے مشرقی ممالک کے بادشاہوں اور حکمرانوں کا ذکر ہے ۔ چین کے بادشاہوں کو مؤلف نے ۱۸ "طبقات" میں تقسیم کیا ہے لیکن شاہانِ جاپان کے بیان میں صرف سات صفحے ہی لکھے تھے کہ ان کا ارادہ بدل گیا اور لکھنا بند کر دیا ۔

مہرِ جہاں تاب کا اسلوبِ نگارش

علمائے بلاغت نے اسلوبِ انشاء کی تین قسمیں کی ہیں ۔ اسلوب علمی ، اسلوب خطابی اور اسلوب ادبی ۔ مہر جہاں تاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں دو قسم کے اسلوب اختیار کئے گئے ہیں ۔ جو ابواب و فصول ، علوم و فنون ، ملوک و ممالک کی تاریخ اور انبیاءؑ کے احوال سے متعلق ہیں ۔ وہ سادہ علمی اسلوب میں لکھے گئے ہیں ۔ مثلاً " ہفت خان رستم " کے بیان کا یہ اقتباس دیکھئے ؛

" سحر گاہان چون رستم نامور رھگرا شد ، شام گاہان در نیستانے برسید و گور خرے شکار کرد و کباب کردہ بخورد ، و رخشش را بہ صحرا بگذاشت تا بچرد ......" (۲۸)

یا جزائر لوچو کے تعارف سے یہ اقتباس :

" سی وشش جزائر کہ درمیان جزائر کوریا و فارموسا و جاپان واقع اند' بہ لقب "لوچو" مشتہر اند' و در ۱۳۷۲ء شاہ آنجا خود بخود مطیع فغفور گردید......" (۲۹)

اس طرح کے تمام مواقع پر کسی طرح کی عبارت آرائی اور قافیہ پیمائی کے بغیر سادہ انداز میں مطلب نگاری کی گئی ہے لیکن شعراء وغیرہ کے حالات جہاں سپرد قلم کئے گئے ہیں۔ وہاں پر اسلوب نگارش یکسر بدل دیا گیا ہے اور قافیہ و سجع کی رعایت کے ساتھ عبارت کو خوش نما بنانے کی شعوری کوشش کی گئی ہے بالخصوص وہ تینوں تحریریں جو دیباچے کے عنوان سے کتاب کے شروع میں ملحق ہیں۔ شاید نثر ملا ظہوری (۳۰) کی تقلید کے شوق میں کامل طور پر ادبی اور منشیانہ انداز میں حوالہ قرطاس کی گئی ہیں۔ ذیل کی مثالیں ملاحظہ فرمائی جائیں۔

" لالہ خاتون' زنی مردانہ روش' بزرگی منش' دیقعہ یاب' اندیشہ تاب' حاکم ولایت کرمان بودہ....." (۳۱)

" پرتوی' صلش از شیراز بود' درعہد خود از اقران ممتاز بود......" (۳۲)

" راستی کلمہ و موزونی کلام بہ استقامت سہی بالائے صلح شعار' اعتدال دثار' سرو جوے بار رسالتے است کہ از شنگرف شقائق دنیا و سپیدۂ یاسمین دین در گل شرع ریختہ' و سلاسل مذاہب مختلفۂ باطلہ از بہر اجتماع مجمع البحار دین حنیفی بعد تطہیر ہوائے توحید چو سلک قطرات مطر از ہم گسیختہ......" (۳۳)

خیالی کی ادبی نثر ہر چند ملا ظہوری کی نثر کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکی۔ تاہم ان کی سادہ اور رنگین دونوں قسم کی تحریریں اپنی حد تک پختہ اور رواں ہیں۔

مہر جہاں تاب کی اہمیت اور قدر و قیمت

سطور بالا میں مہر جہاں تاب کے مطالب کے متعلق جو مختصر تفصیل سپرد قلم کی گئی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زیر تذکرہ کتاب اپنے مطالب کی فراوانی اور موضوعات کی رنگا رنگی کے باعث ایک گراں قدر تالیف ہے جو مؤلف کی کثرت اطلاعات اور وسعت معلومات کی نشاندہی کے

ساتھ ساتھ مختلف علوم و فنون، دنیا کی قوموں اور ملکوں کی تاریخ اور مختلف زبانوں کے اکابر علم و ادب اور رہبران انسانیت کے احوال کے سلسلے میں قاری کو سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی سے بے نیاز کرتی ہے اور اس لحاظ سے اس کو ایک دائرۂ معارف کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ بعض اور خصوصیات اور خوبیاں حسب ذیل ہیں۔

تاریخ نویسی میں مؤلف نے صرف حوادث زمانہ اور جنگ و پیکار کی داستانیں لکھنے سے ہی سروکار نہیں رکھا ہے بلکہ دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں کی مقامی رسوم و خصوصیات کے بارے میں بھی مفید معلومات بہم کی ہیں۔ اس طرح مشہور اور اہم شخصیات کی زندگی پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ قاری اپنی معلومات میں اضافے کے ساتھ نیک سیرتی اور راست کرداری کا درس بھی لے سکتا ہے۔

معاصر علماء، شعراء، اطباء، اور صوفیاء کے باب میں نیز اپنے عہد کے حوادث و حالات پر مؤلف نے متفرق مقامات پر جو کچھ لکھا ہے۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ سلیقے سے اس کو یکجا مرتب کر دے تو تیرھویں صدی ہجری کے نصف آخر اور چودھویں صدی ہجری کے ربع اوّل پر کام کرنے والے مؤرخوں اور محققوں کے لئے ایک کارآمد دستاویز کا کام دے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم تحریر وہ ہے جو مؤلف نے خود اپنے حالات میں قلم بند کی ہے اور جو کتاب کی جلد اوّل کے قریب ایک سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ سو صفحات اس لحاظ سے بھی اہمیت رکھتے ہیں کہ خود مؤلف کے بارے میں ہمارے لئے معتبر معلومات فراہم کرتے ہیں اور اس اعتبار سے بھی اہم ہیں کہ ان اوراق میں ہندوستان کے مختلف علاقوں اور بالخصوص جنگ آزادی سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ مؤلف کا اپنا چشم دید ہے۔

مولانا خیالی نے مہر جہاں تاب میں جو زبان استعمال کی ہے۔ وہ ان کے معاصر دوسرے ہندوستانیوں کے مقابلے میں ایرانیوں سے زیادہ مماثل ہے اور اس کی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ جس زمانے میں مولانا خیالی شہر بیدر میں کسی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ ان کو محمود نام اور حریف تخلص کے ایک ایرانی شاعر کے ساتھ ہم نشینی اور گفتگو کے مواقع ملے۔ (۳۴) اور خیالی نے ان صحبتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر اپنی فارسی درست کر لی تھی۔

فارسی زبان کے شعراء کا تذکرہ جو اس کتاب میں شامل ہے، وہ کتاب کے تمام دوسرے تذکروں سے وسیع ہے اور تقریباً پونے تین سو صفحات کو محیط ہے۔ نیز تاریخی حصوں میں مؤلف نے ایران کی تاریخ پر کم و بیش ۶۰۰ صفحات صرف کئے ہیں، دوسرے کسی ملک کی تاریخ پر اتنی توجہ نہیں دی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب فارسی زبان و ادب کے طلبہ و اساتذہ اور ایران شناسوں کے لئے خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔

مختصر یہ کہ یہ کم نظیر کتاب جو بڑے سائز کے سوا دو ہزار صفحات پر حاوی ہے۔ متعدد وجوہ سے مطالعے اور استفادے کے لائق ہے اور اس کی مستحق ہے کہ تصحیح و تنقیح کر کے اس کو شائع کیا جائے تاکہ مؤلف مرحوم نے اس گنجینۂ دانش و ادب اور تاریخ کے مواد کی فراہمی اور اس کی ترتیب پر ۳۰-۳۲ سال تک جو محنت کی ہے۔ وہ رائیگاں نہ جائے اور یہ نادر نسخہ بھی بہت سے دوسرے نادر علمی کارناموں کی طرح کچھ زمانے کے بعد معدوم نہ ہو جائے۔

حوالاجات و حواشی

۱۔ ندوۃ العلماء کی روداد یں دیکھی جائیں اور حیات شبلی (از سید سلیمان ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ) نیز حیات عبدالحی (از سید ابوالحسن علی ندوی مطبوعہ دہلی) رجوع کیا جائے۔

۲۔ مہر جہاں تاب ج ۱ ص ۷۶ (نسخہ دست نویس مؤلف، کتاب خانہ شبلی نعمانی، لکھنؤ)

۳۔ نزہتہ الخواطر ج ۸ ص ۳۵۵ (مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۷۰ء)

۴۔ گل رعنا ص ۵۲۴ (تالیف سید عبدالحی حسنی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء)

۵۔ تالیف سید محمد الحسنی (مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۷۰ء)

۶۔ تالیف سید عبدالحی حسنی (دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد سے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۲ء تک اس کتاب کی آٹھوں جلدیں دوبارہ شائع ہو چکی ہیں۔)

۷۔ تالیف سید عبدالحی حسنی (مخطوطہ کتاب خانہ شبلی نعمانی، ندوہ، لکھنؤ)

۸۔ تالیف سید ابوالحسن علی ندوی (طبع ششم، لکھنؤ ۱۹۷۷ء)

۹۔ تالیف سید ابوالحسن علی ندوی (مطبوعہ دہلی ۱۹۷۰ء)

۱۰۔ تالیف سید ابوالحسن علی ندوی (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء)

۱۱۔ ۱۲۔ تالیفات سید فخرالدین خیالی (مخطوطے، کتب خانہ شبلی نعمانی، ندوہ، لکھنؤ)

۱۳۔ مہر جہاں تاب ج ۱ ص ۷۶۶، سیرت السادات ص ۱۴۲، نزہتہ الخواطر ج ۸ ص ۳۵۵۔
گل رعنا ص ۵۲۴، آثار الشعراء ص ۱۰۱ (تالیف ممتاز علی، مطبوعہ بھوپال ۱۳۰۷ھ)

۱۴۔ تیرھویں صدی ہجری کے بزرگ عالم اور زاہد تھے۔ ۱۲۷۴ھ میں وفات پائی (نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۴۵۵، طبع دوم)

۱۵۔ اپنے زمانے کے بڑے علماء اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ تصوف اور ردّ بدعات کے موضوع پر کئی کتابوں کے مؤلف ہیں۔ اردو زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی۔ (نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۴۵۶، طبع دوم)

۱۶۔ اکثر علوم و فنون کے اصول و فروع میں دستگاہ رکھتے تھے۔ ۱۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ (نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۱۷۷، طبع دوم)

۱۷۔ اپنے عہد کے معروف عالم تھے۔ علم فرائض اور حساب کے فن میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی (نزہتہ الخواطر، ج ۷، ص ۵۲۲، طبع دوم)

۱۸۔ اپنے دور کی معروف شخصیت اور طبیب حاذق تھے۔ ۱۲۸۶ھ میں وفات پائی۔ (نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۵۴۹، طبع دوم)

۱۹۔ اپنے وقت کے معروف ترین اردو شعراء میں سے تھے۔ ۱۳۲۹ھ میں وفات پائی۔

۲۰۔ اپنے عہد کے بزرگ علماء اور متصوفین کے پیشواؤں میں سے تھے۔ ۱۲۸۹ھ میں وفات پائی (نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۳۸، طبع دوم)

۲۱۔ نزہتہ الخواطر ج ۸، ص ۳۵۸، گل رعنا ص ۵۳۷۔

۲۲۔ گل رعنا، ص ۵۲۷۔

۲۳۔ مولانا خیالی کے احوال و آثار سے متعلق مزید واقفیت حاصل کرنے کے لئے مراجعت فرمائیں: نزہتہ الخواطر، ج ۸، ص ۳۵۴ تا ۳۵۸، گل رعنا، ص ۵۲۴ تا ۵۴۶، حیات عبدالحی، ص ۲۴ تا ۲۶، مہر جہاں تاب، ص ۷۶۵ تا ۸۶۳ ج ۱، سیرۃ السادات ص ۱۴۲، آثار الشعراء، ص

۱۰۱، خمخانۂ جاوید، ج ۲، ص ۱۰۰۔۱۰۱۔

۲۴۔ مہر جہاں تاب، ج ۱، ص ۸۰۷،۶

۲۵۔ 〃 〃 〃

۲۶۔ گل رعنا، ص ۵۲۵۔

۲۷۔ مہر جہاں تاب ج ۲، ص ۲۔

۲۸۔ مہر جہاں تاب ج ۲، ص ۱۹۴ ۔ ۸۷۵۔

۲۹۔ 〃 〃 〃

۳۰۔ ملا نور الدین متخلص بہ ظہوری ترشیزی ثم دکنی ہندی متوفی ۱۰۲۵، اپنے دور کا فارسی کا معروف شاعر اور زبردست نثر نگار تھا۔

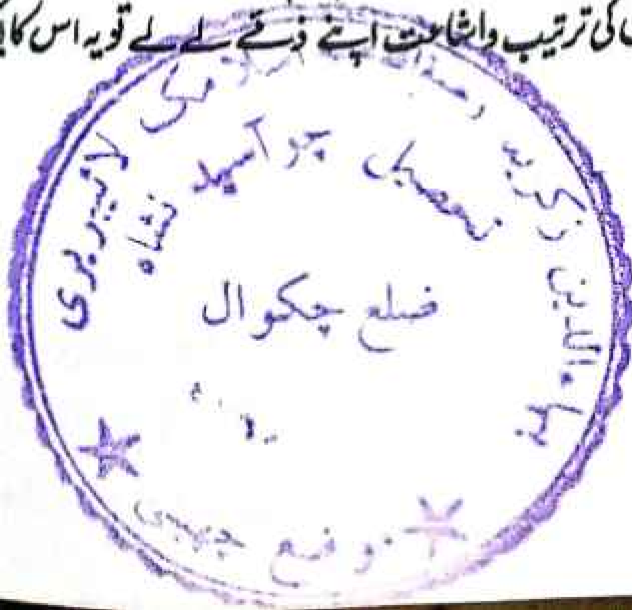
۳۱۔ مہر جہاں تاب ج ۲۔

۳۲۔ مہر جہاں تاب ج ۱، ص ۱۰۰۷۔

۳۳۔ مہر جہاں تاب ج ۱، ص ۸۳۸، خمخانۂ جاوید، ج ۳، ص ۱۰۰۔

۳۴۔ مہر جہاں تاب ج ۱، ص ۳۔

۳۵۔ اگر ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے فارسی شعبوں کے اساتذہ اپنے ریسرچ اسکالروں کے ذریعے اس قابل قدر کتاب کو ایڈٹ کرائیں تو متعدد پی ۔ ایچ ۔ ڈی کرنے والوں کا بھلا ہو سکتا ہے یا نئی دہلی میں ایرانی سفارت خانے کے زیر اہتمام قائم ہونے والا " مرکز تحقیقات زبان و ادبیات فارسی در ہند" اس کی ترتیب و اشاعت اپنے ذمے لے لے تو یہ اس کا ایک اہم کارنامہ ہوگا۔ (ر۔ن)



• خضر عباسی نوشاہی

پاکستان میں خزائن مخطوطات

(کتابخانۂ خواجہ محمد سلیم)

۵۴/۴ اے گلشن راوی سکیم، ملتان روڈ لاہور

ہمارے اسلاف نے اپنے اخلاف کے لئے اپنے تجربات اور احساسات کو تحریر کی شکل میں محفوظ کر کے ایک احسان عظیم کیا ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ان کی تحریرات (کتابوں) کو نہ صرف محفوظ کریں بلکہ انھیں پڑھیں اور ان پر عمل کریں۔

جس دور میں ہمارے آباؤ اجداد نے یہ کتابیں لکھیں۔ اس دور میں طباعت کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے وہ کتابیں قلمی شکل میں ہی رہ گئیں۔ جنھیں آجکل کی اصطلاح میں مخطوطات کہا جاتا ہے۔

یہ مخطوطات کہاں کہاں محفوظ ہیں؟ ہمیں ان کی تلاش کرنی چاہیئے اور جہاں جہاں موجود یا محفوظ ہیں۔ ان کی اطلاع اہل علم کو دینی چاہیئے تاکہ نئی نسل کو ماضی سے رشتہ استوار رکھنے میں مدد مل سکے۔

قارئین سُہرورد کی دلچسپی کے لئے اس کی ابتداء ہم لاہور کے کتب خانوں سے کریں گے آج جس کتب خانہ کا تعارف ہم آپ سے کروا رہے ہیں۔ اس کتب خانے سے زیادہ صاحب

• تاریخ پیدائش : ۸ مارچ ۱۹۵۲ء

مرتب : ۱۔ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی کتابخانہ دانشگاہ پنجاب لاہور۔

۲۔ فہرست نسخہ ہای خطی فارسی کتابخانۂ ہمدرد کراچی۔

۳۔ کلیات عباسی (پنجابی منظوم)

کتب خانہ تعارف کا مستحق ہے کیونکہ صاحبِ کتاب خانہ کا اصل میدان سائنس ہے لیکن انھوں نے علوم شرقیہ اور فنونِ لطیفہ کی خدمات انجام دینے میں بڑے خلوص سے کام لیا ہے۔

خواجہ محمد سلیم کول صاحب ۳۰ مارچ ۱۹۱۸ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والدگرامی کا نام خواجہ محمد شیخ ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم لاہور ہی میں حاصل کی اور پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور ہی سے ۱۹۵۱ء میں ایم ایس سی آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ بعدازاں TUBINGEN ویسٹ جرمنی سے D.S.C یعنی ڈاکٹر آف نیچرل سائنس کی ڈگری سے مفتخر ہوئے۔

تدریس: ۴۳-۱۹۴۱ء میں بحیثیت ڈیمن سٹیٹر گورنمنٹ کالج لاہور۔

۴۴-۱۹۴۳ء میں غازی کالج کابل افغانستان میں سائنس کے لیکچرار۔

۴۸-۱۹۴۴ء میں پشاور اسلامیہ کالج پشاور میں سائنس کے لیکچرار۔

۵۹-۱۹۴۸ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں سینئر لیکچرار آف سائنس۔

۶۴-۱۹۵۹ء میں پشاور یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر۔

۶۴-۱۹۶۳ء میں پشاور یونیورسٹی کے شعبہ سائنس کے صدر اور پروفیسر۔

۷۶-۱۹۷۴ء میں میکیررے یونیورسٹی کمپالا، یوگنڈا میں صدر شعبہ بیالوجی اور پروفیسر۔

۷۷-۱۹۷۶ء میں خرطوم یونیورسٹی سوڈان میں سائنس کے پروفیسر۔

۸۵-۱۹۷۷ء میں میکیررے یونیورسٹی کمپالا، یوگنڈا میں صدر شعبۂ سائنس اور پروفیسر وہیں سے ۱۹۸۵ء میں ریٹائر ہوئے۔

تصنیف و تالیف

خواجہ محمد سلیم صاحب نے اگرچہ دینی موضوعات پر بھی کچھ مقالے اور مضامین لکھے ہیں لیکن ان کی تحقیقات و تخلیقات کا اصل موضوع "سائنس" ہے۔ سائنس پر آپ کے بیشتر مضامین انگریزی اور جرمنی زبان میں شائع ہو چکے ہیں۔

ازانجملہ

1- A CLASSIFICATION OF KNOWLEDGE,

2- BIOLOGICAL CHALLENGES TO LIFE,

مشاغل

خواجہ صاحب اگرچہ سائنس کے آدمی ہیں۔ تاہم انہیں فنونِ لطیفہ سے بھی گہرا شغف ہے مصوری کا انہیں جنون کی حد تک شوق ہے۔ ان کے ڈرائنگ روم میں ان کی مصوری کے نمونے ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ جہاں تصاویر کے علاوہ خطاطی کے نمونے، پتھر اور لکڑی کے بت اور دیگر اسی قسم کی بہت سی چیزیں ایک خاص قرینے سے سجائی گئی ہیں۔ ان کا ڈرائنگ روم ایک عجائب گھر سے کم نہیں۔

راقم ان کے ہاں ۲۲۔ اپریل ۱۹۸۹ء کو گیا اور ان کا کتب خانہ ملاحظہ کیا۔ ان کا سارا گھر کتابوں سے بھرا ہوا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ خواجہ محمد سلیم صاحب اگرچہ سائنس کے آدمی ہیں لیکن ان کا فنونِ لطیفہ سے لگاؤ اور مشرقی علوم سے دلچسپی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

خواجہ محمد سلیم صاحب جب پشاور یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ اس وقت مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نے اسلامیہ ہائی سکول پشاور کے ہیڈ ماسٹر میر سجاد حسین کاظمی سے ان کتب خانہ میں موجود مخطوطات کی فہرست بنوائی تھی۔ اس فہرست کا دست نویس مسودہ خواجہ صاحب کے پاس محفوظ ہے۔

خواجہ صاحب کے کتب خانہ میں ۱۵۰۰ سے زائد مخطوطات موجود ہیں۔ جن میں ایک ہزار فارسی، ۴۳۰ عربی، ۵۰ پشتو اور ۲۰ پنجابی ہیں۔

چند مخطوطات کے نام یہ ہیں:۔

۱۔	شرح لمعات	از نظام الدین تھانیسری ش ۹۰۵، بخط محمد عارف نقشبندی بن خواجہ محمد فاضل، نستعلیق، ۳۰۸ ص۔
۲	مختار الاخیار علیٰ مذہب المختار	از اختیار الحسینی بخط عمدہ نستعلیق ملا عبداللطیف ولد شیخ عبدالحکیم بن عبداللہ، ۱۸ صفر ۱۱۲۶ھ

در بلدۂ ہرات، ۲۱۲ ص۔

۳۔ ہفت دوزخ | از شیخ سلیمان، سید ہاشم بخاری، میر سید طیب اودھی، شیخ نصر الدین نارنولی، محمد صادق ملتانی، حمید الدین ناگوری، گیان ناتھ جوگی جو مسلمان ہونے کے بعد "سعادت مند" کے نام سے معروف ہوئے۔ بخط نستعلیق محمد حسین نقشبندی لاہوری، ۳۲۰ ص۔

۴۔ تجوید اخوند ملا یار محمد مسمی بہ قواعد القرآن | از یار محمد بن خدایداد سمرقندی، بخط نستعلیق ملا شاہ زمان پشاوری، ۱۲ رمضان ۱۲۳۴ھ، ۱۰۴ ص (عربی)

۵۔ مجموعہ | جس میں مندرجہ ذیل رسائل ہیں۔

۱۔ مفتاح الحساب از جمشید بن مسعود بن محمود الطبیب الکاشی (م ۹۱۹ ھ) نستعلیق، ۱۲۰۸ھ، ۲۹۰ ص (عربی)

۲۔ تلخیص المفتاح تاریخ کتابت اور مؤلف وہی، ۸۴ ص (عربی)

۳۔ سلم السماء در علم مساحت تاریخ کتابت اور مؤلف وہی، ۲۸ ص (عربی)

۴۔ نزھتہ الحدایق، در علم فلکیات۔ اسی مؤلف کی اسی تاریخ کتابت کے ساتھ، ۴۲ ص (عربی)

۵۔ رسالہ فی استخراج جیب الدرجۃ الواحدۃ، در علم ریاضی، وہی مؤلف ۳۱ ص (عربی)

۶۔ الحاقات نزھتہ الحدایق، مؤلف وہی، ۴۲ ص، (عربی)

۷۔ رسالہ دربیان علم موسیقی، از عبد المؤمن، تاریخ کتابت ۱۲۰۸ھ، ۳ ص (فارسی)

۸۔ رسالہ براہین العلوم الحسابیہ، مؤلف نامعلوم، ۱۴ ربیع الاول ۱۲۰۸ ھ ۱۹ ص (عربی)

۶۔ قرآن مجید | خواجہ صاحب کے کتب خانہ میں ۸۰ سے زائد خطی قرآن پاک موجود ہیں جن میں کئی ایک بہت قدیم ہیں۔ بعض نسخے خطِ بہار میں ہیں۔

جادہ جویائے حق

ملفوضات: عارف کامل، شیخ طریقت سہروردی
حضرت صوفی محمد نذیر غوری سہروردی دام برکاتہم
مرتبہ: سید اویس علی سہروردی

ستائیسویں مجلس

حضرت قبلہ و کعبہ، مہرِ منیرِ سہرورد، محترم و مکرّم آقائی حضرت صوفی ابو نصیر محمد نذیر غوری سہروردی دام برکاتہم سال کے مختلف حصّوں میں گجرات یا ملتان، شیوخِ سہروردیہ کے مزارات پر حاضر ہوتے ہیں۔ گجرات کے سفر میں آپ حضرت شاہ دولا دریائی، حضرت بابا شرف الدین جنگو شاہ قلندر اور حضرت بابا میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ کے مزارات پر، جب کہ ملتان حضرت غوث العالمین بہاؤالدین زکریا اور حضرت شاہ رکن عالم کے مزارات پر حاضر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات آپ راستے میں حضرت بابا فرید گنج شکر مسعود قدس سرہٗ (پاک پتن) کے مزار سے ہو کر بھی جاتے ہیں۔ پیشِ نظر مجلس اسی طرح کے سفروں سے متعلق ہیں۔ آپ نے ان سفروں میں علم و عرفاں کے موتی بکھیرے انہیں چن کر ضبطِ تحریر میں لا رہا ہوں تاکہ پڑھنے اور سننے والے سعادت دارین حاصل کریں۔

یہاں یہ بات بھی گوش گزار کرتا چلوں کہ اس طرح کے سفروں میں آپ چند طرح کے اجتماعات فرماتے۔ اولاً۔ آپ کھانے کی پاکیزگی سے متعلق بہت متردّد واقع ہوئے ہیں۔ آپ اکثر فرماتے ہیں کہ حضور نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق آدھا دین پاکیزگی ہے۔ اس لئے کھانا پکانے میں جتنی پاکیزگی کا دھیان رکھا جائے، بہتر ہے۔ ثانی الحال آپ سفر سے متعلق دوستوں سے مشورہ فرماتے ہیں اور ہر ایک کے ذمّہ ایک مقرّرہ حصّہ بغرضِ اخراجاتِ سفر فرما دیتے، جو اکثر تمام احباب پر برابر حصّہ کی صورت میں تقسیم ہوتا۔

آپ کی عادت شریفہ میں یہ عمل لازم و ملزوم ہے کہ آپ سفر پر جانے سے کئی دن بیشتر ہی دنیاوی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً دنیاوی امور سے

متعلق پابندیٔ وقت کی تاکید، زادِ سفر کی منصوبہ بندی اور وسائل سفر کی فراہمی وغیرہ جبکہ روحانی اعتبار سے آپ کثرتِ تلاوتِ قرآن کریم فرماتے ہیں۔ شب بیدار تو آپ مستقلاً ہیں ہی مگر ایسے سفروں سے بیشتر آپ نوافل کی کثرت بھی کر دیتے ہیں۔ اسی ضمن میں آپ گھر سے چلنے سے پیشتر اور راستے میں اگر موقع ملے ورنہ منزل پر پہنچ کر یا سفر سے واپسی پر نوافل ادا فرماتے ہیں۔ اس بارے میں جب چند مخلص احباب نے پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ سفر پر جانے سے بیشتر نوافل کی ادائیگی سنّتِ مطہرہ سے ثابت ہے۔ اس طرح دورانِ سفر ناگہانی حادثات سے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال ہو جاتا ہے اور مسافر اللہ تعالیٰ جل شانہ، کی حفظ و امان میں آ جاتا ہے اور دوسرا باطنی اور ظاہری پاکیزگی دونوں کے ساتھ صاحب مزار کے پاس پہنچا جائے تو مسافر صاحبِ مزار کی توجہ سے خالی نہیں لوٹتا۔ اسی سلسلے میں آپ نے کئی سفروں میں خود بھی روزہ رکھا اور اپنے مریدین کو بھی روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی۔

جب کسی سفر کی تاریخ آپ مقرر فرما دیتے، تو پھر اس تاریخ پر آپ ضرور روانۂ سفر ہو جاتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب کسی مزار پر حاضری کا ارادہ پختہ کر لیا جائے تو پھر وہاں ضرور اسی تاریخ کو حاضر ہونا چاہیئے۔ کم از کم میرے ساتھ اکثر ایسا ہوا کہ اگر ارادہ میں تبدیلی واقع ہوئی تو مجھے کوئی تکلیف آ گھیرتی ہے۔ اس طرح کے دو ایک واقعات بھی آپ ارشاد فرماتے ہیں، جو اپنے موقع و محل پر پیش کئے جائیں گے۔

———— ٥ ————

دورانِ سفرِ ملتان برادرم ڈاکٹر محمد نعیم اقبال سلمہٗ، نے عرض کی کہ حضور چند روز پیشتر میں ایک مضمون 'بدعت سے متعلق' پڑھ رہا تھا۔ جس میں مؤلف نے ایک حدیث کا حوالہ دیا کہ ایک روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی جگہ تشریف لے گئے۔ جہاں چند اصحاب پہلے سے موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے انھیں تعظیماً کھڑے ہونے سے منع فرمایا۔ آپ کا اس بارے کیا ارشاد ہے کیونکہ آجکل ہمارے معاشرے لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنا فضل و کرم دراز فرمائے۔ آپ نے سمجھانے کے انداز میں سوال

ڈاکٹر صاحب بدعت کیا چیز ہے؟ انھوں نے عرض کی۔ حضور نئی چیز کی ایجاد کو بدعت کہا گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت ہر نئی چیز کو نہیں کہتے کیونکہ یہ موٹر گاڑی اور دوسرے سامانِ زیست وغیرہ، جو آجکل ہمیں جائز وسائل سے میسر ہیں، اس دور میں نہیں تھے، تو یہ وہ بدعت نہیں۔ آپ کے جواب سے متشرح ہوتا ہے کیونکہ آپ کے جواب کے مطابق تو یہ چیزیں نہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ آپ کے اصحاب، تابعین اور تبع تابعین نے استعمال فرمائیں، تو اس کا استعمال بدعت قرار نہ پائے گا۔ دراصل بدعت کا لغوی معنی ہے۔ دین میں نئی بات کی ایجاد۔ فقہا نے تو اس کی تشریح میں بہت کچھ لکھا ہے مگر میں مختصراً، جتنا مجھے علم ہے، آپ کو بتاتا ہوں۔ بدعت دو قسم کی ہے۔ ایک کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور دوسری قسم کو بدعتِ قبیح۔ دیکھیں یہ موٹر گاڑی، یا موٹر سائیکلیں وغیرہ اس دَور میں نہیں تھیں، تو اس کا استعمال اس لئے ترک نہیں کیا جا سکتا کہ یہ بدعت ہے بلکہ اس کو آپ بدعتِ حُسنہ کہہ سکتے ہیں۔ اب بدعتِ قبیح کے بارے سن لیں۔ ایک دور تھا۔ جب لوگ نماز پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ حالانکہ وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے تھے کہ آپ دورانِ نماز آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اوپر دیکھنا یہودیوں کے اس طعنہ کی وجہ سے تھا کیونکہ مسلمان اس دَور میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے مگر جب حکم آگیا، تو پھر کوئی آسمان کی طرف اوپر دیکھے، تو اسے بدعت قبیح کہیں گے یا اسی دور کی بات ہے کہ نماز میں رکوع وسجود نہیں تھے۔ یعنی جس طرح ہم آجکل نماز پڑھتے ہیں۔ اس کی یہ صورت نہیں تھی۔ حتیٰ کہ دورانِ نماز لوگ آپس میں باتیں وغیرہ بھی کر لیتے تھے مگر اب کوئی ایسا کرنے گا، تو یہ بدعت ہوگی۔ اب میری رائے کے مطابق بدعت قبیح کی تعریف یہ ہوگی کہ ایسے اعمال جو آپ کو دین کی سچی فرماں برداری سے روکیں اور آپ کو شریعت کے دائرے سے باہر لے جائے، وہ بدعتِ قبیح ہوگی اور جو آپ کو دین کی تابعداری سے نہ روکے اور شریعت کے دائرے میں رکھے وہ بدعتِ حُسنہ ہوگی۔ اس کا ثواب ہے اور اوّل الذکر کا گناہ۔ اسی ضمن میں نمازِ تراویح آتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے باجماعت نوافل پڑھانے شروع کروائے اور جو آپ نے تخلیماً کھڑے ہوجانے کے متعلق فرمایا ہے۔ یہ عجمی رسمیں طریقۂ بود و باش

سے متعلق ہے۔ اسی طرح کی رسموں میں اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لینا وغیرہ تھا مگر اسلام نے ان سب رسموں کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔

دورانِ سفر برادرم محمد انیس سلمہ، نے سوال کیا کہ اگر کسی شخص کو خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی ہے تو کیا اسے بھی اصحابی کہیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ جس نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ظاہری آنکھوں سے ایمان کی شرائط پوری کرنے کے ساتھ دیکھا ہے، اسے اصحابی کا درجہ دیا جائے گا اور جو سرکار پر ایمان لایا مگر آپ کی بظاہر زیارت سے محروم رہا، اسے تابعی کہیں گے، جیسے سیدنا حضرتِ اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حالانکہ آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات پر اپنی جان قربان کی ہے، مگر آپ اصحابی کا درجہ نہیں پا سکے بلکہ تابعین کے سرتاج ہیں۔

برادرِم طریقت محمد انیس سلمہ نے سوال کیا کہ لاہور کی بستی حبیب گنج میں حضرت غلام مرتضیٰ کے مریدین نے وہاں آپ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور فنافی الرسول لکھا ہے حالانکہ رضی اللہ عنہ، تو اصحاب کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنا سایۂ فضل وکرم دراز فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بھائی یہ دور ایسا ہے۔ آپ جس کے ساتھ جو مرضی آئے لکھ دیں، کوئی پوچھنے والا نہیں، اور نام کے ساتھ جو مرضی لکھ دیں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب تک اس میں وہ اوصاف نہ ہوں۔ آپ نے اس افسوس کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ایک دور تھا۔ جب ہمعصر شیوخ القابات سے نوازتے تھے۔ یا پیشوا اپنے مریدین کے مقامات کو عوام پر ظاہر کرنے کے لئے ایسے القابات سے یاد کرتے تھے مگر اب یہ دَور ہے کہ مریدین اپنے شیوخ کو وہ وہ القابات سے پکارتے ہیں کہ جس کے معنون کا ادراک بھی ان کی لغت میں نہیں۔ آج کے دور کے ہر پیر کے نام کے ساتھ قطب الاقطاب تو ضرور لکھا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے ایسے القابات ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب بھی وہ نہیں جانتے۔ حق یہ ہے کہ چھوٹی پوزیشن کا سالک بڑی پوزیشن کے درویش کے متعلق کچھ نہیں جانتا جب کہ بڑی پوزیشن کا سالک اپنے سے چھوٹی پوزیشن کے درویش کے متعلق کچھ کہتے میں حق بجانب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس راستے کی صحرانوردی کر چکا ہوتا ہے۔ جس پر ادل الذکر ابھی چل رہا ہے

اس ضمن میں آپ نے آب دیدہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ میں ایک دفعہ اپنے شیخ محترم کے پاؤں دبا رہا تھا، تو مجھے آپ کی صورت بالکل آپ کے ساتھ حضرت قبلہ میاں غلام محمد سہروردیؒ (حیات گڑھی گجرات) کی طرح معلوم ہو رہی تھی، غلبۂ حیرت کی وجہ سے میں ضبط نہ کر سکا اور عرض خدمت کی کہ حضور مجھے آپ کی شکل اس وقت بالکل میاں صاحب قدس سرہٗ کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ میری بات سن کر حضرت شیخ نے ایک آہِ سرد بھری اور آب دیدہ ہو کر فرمایا۔ بیٹا نذیر، بات تو تب بنتی ہے۔ جب اندر سے بھی اللہ تعالےٰ مجھے میاں صاحب جیسا کر دے۔

چنانچہ فنافی الرسول لکھ دینے سے کوئی شخص ایسا نہیں بن جاتا۔ یہ مقامات فنافی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ کوئی بازیچۂ اطفال نہیں، یہ بڑی کٹھن منزلیں ہیں۔ ان راستوں میں کئی جوانمرد کھو گئے، کئی بھٹک گئے اور کئی ایک کے نام و نشان تک مٹ گئے۔ میاں محمد بخش صاحبؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

"جہناں پریا اُنہاں سراں نے رکھیا تے پیر رکھن ڈر ڈر کے"۔

ان مقامات پر عبور رکھنے والا درویش اعلان نہیں کرتا بلکہ اس میں وہ اوصاف خود بخود ظاہر ہوتے ہیں اور یاد رکھئے۔ یہ مقامات سنگِ میل ہیں، منزل نہیں،

متاعِ زندگی ہے درد و سوز و آرزومندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

آپ نے بات مزید بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بچے ذرا بڑے ہو لیں۔ جب ان راستوں پر چلیں گے، خود بخود سمجھ آ جائے گی۔ ان مقامات کی کیفیات کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ کیونکہ کسی بھی واردات کو آپ الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتے۔ یہ ہمارے ہاں جو نظری مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ یہی ہے کہ جہاں آپ نے مکاشفات کو الفاظ میں بیان کیا، وہیں اس میں پڑھنے والے کی ناسمجھی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا اور جہاں اختلاف پیدا ہوا، بحث کا دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ خود سفر کریں اور ان مقامات کو سمجھیں۔ میں فطرتاً کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس نے محنت کی اور وہ اس مقام پر پہنچا۔ میں بھی محنت کروں، تو اس سے بڑے مقام پر جا سکتا ہوں۔

ایک دفعہ دھرم سالا ہندوستان کا صحت افزا مقام ہے۔ میں حضرت قبلہ و کعبہ شیخ محترم و مکرم قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے اسی طرح کا کوئی ارشاد فرمایا کہ نذیر تم یہ کام کر سکتے ہو؟ میں نے عرض کی، حضور جو کوئی انسان کام کر سکتا ہے، وہ بھی میں کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں، یہ صحیح ہے مگر تم ابھی انسان نہیں بنے۔ آپ کے ارشاد کی صحیح سمجھ اس وقت آئی، جب انسان بننے کا موقع خداوند ذوالجلال نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے عطا کیا۔

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنی نوازشات دراز فرمائے۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا۔ ارادہ کریں گے تو سفر ختم ہو ہی جائے گا۔ دیکھیں ہم نے ارادہ کیا اور لاہور سے یہاں تک آ پہنچے ہیں۔ انشاءاللہ منزل تک بھی پہنچ ہی جائیں گے۔ ارادہ کریں اور اللہ تعالےٰ سے درخواست کریں۔ اگر عزم ہو گا، تو اللہ تعالےٰ ویسے ہی کر دے گا۔ کسی کے سہارے سفر کرنا جوانمردی نہیں ہوتی۔ کوشش کریں کہ آپ میں یہ اوصاف پیدا ہوں اور آپ دس پندرہ آدمیوں کو ساتھ لے کر چلیں۔ میں تو اپنے ہر دوست کو کہتا ہوں کہ بھئی اپنے آپ میں یہ صلاحیتیں پیدا کریں۔ مسلمان کو فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے حاکم پیدا کیا ہے۔ ایک حاکم ہو کر چپڑاسیوں جیسا کام کرے، یہ بات زیب نہیں دیتی، اللہ تعالےٰ نے حاکم پیدا کیا ہے، اپنا خلیفہ بنا دیا ہے، قرآن پڑھیں، اللہ تعالےٰ نے دوسری قوموں سے آپ کا تعارف بحیثیت مبلغ کروایا ہے۔ آپ کو اگر صاحب اقتدار کوئی ڈگری دے دے اور آپ اسے ضائع کر دیں، تو یہ اس کی غلطی نہیں بلکہ آپ کی نااہلی ہے۔ جتنی کوئی محنت کرتا ہے، اتنا اجر پالیتا ہے۔ بڑھنے اور ترقی کا سوچیں، کسی مقام پر قناعت نہ کریں کیونکہ

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر

تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

چیونٹی کی طرح چلیں۔ انشاءاللہ ایک دن منزل پر پہنچ جائیں گے۔

اٹھائیسویں مجلس

ایک سفر جو گجرات شہر (پنجاب) کی طرف تھا۔ آپ کے ساتھ ہمسفری کا شرف حاصل ہوا۔

دورانِ سفر جب گفتگو پاکیزگی اور طہارت سے متعلق شروع ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ آجکل اکثریت مسلمانوں کی ایسی ہے۔ جن کو غسل کرنے کا بھی صحیح شرعی طریقہ معلوم نہیں۔ غسل جسم کی نجاست سے پاک کرنے کے لئے فرض ہے۔ غسل کے چار فرض ہیں۔ ہاتھ دھونا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور پاؤں دھونا۔ عام غسل اور حالت جنابت کے غسل میں تھوڑا سا فرق ہے عام غسل میں تو مندرجہ بالا فرائض ادا کرنے ضروری ہیں مگر غسلِ جنابت کا طریقہ حدیث شریف کی رُو سے یہ ہے کہ سب سے پہلے جہاں نجاست لگی ہو، اسے دھویا جائے۔ بعد ازاں عام غسل کرے اور پھر پورا وضو کرنے کے بعد تین چلو پانی سر پر باری باری ڈالے۔ اس کے بعد سارے جسم پر پانی ڈالے اور غسل سے فارغ ہو۔ یہ طریقہ صحیح سنّت کے مطابق ہے۔

اس ضمن میں برادرم عزیزا احمد خاں اور محمد انیس سلمہٗ تعالےٰ نے مختلف سوالات کئے۔ جب انھیں غسل کرنے کا طریقہ اچھی طرح سمجھا چکے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح پاکیزگی کے لئے سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق غسل ضروری ہے۔ اسی طرح جو شخص روحانیت حاصل کرنے کے لئے کسی درویش کی طرف رجوع کرے، اسے نمازِ تہجد فرض نماز کی طرح پابندی سے ادا کرنی چاہیئے کیونکہ ہمارے آقا و مولا سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ تہجد فرض پڑھی ہے اور آپ کے صدقے امت پر اس کی فرضیّت ختم ہوگی مگر چونکہ روحانیت کا منہاج حضور نبیؐ روف الرحیم علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع ہے۔ اس کے لئے درویش کے لئے تہجد لازم و ملزوم ہے۔ آپ آبدیدہ ہو گئے اور علامہ اقبالؒ کا یہ شعر پڑھا۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

میرے شیخ قبلہ (اللہ تعالےٰ آپ کی قبر نور سے منوّر فرمائے) نمازِ تہجد کے بارے اپنی گفتگو میں بہت تاکید فرمایا کرتے۔

زمانہ بیعت کے ابتدائی دنوں میں جب میں اس بارے سُستی کرتا تھا تو ایک روز آپ نے مجھے ارشاد فرمایا۔ بیٹا نذیر ایسا کرتے ہیں کہ جس دن میری نمازِ تہجد قضا ہو، میں ایک برتن میں دو آنہ کا سکّہ ڈال دیا کروں گا اور جس دن تمہاری تہجد قضا ہو، تم بھی اسی طرح کرنا۔ ہر مہینے

بعد دیکھیں گے کہ کس کے برتن میں زیادہ پیسے ہیں۔

انتیسویں مجلس

قدم بوسی کے لئے حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے کمال شفقت سے اہل وعیال کا حال احوال پوچھا اور میرے عرض کرنے کے بعد اپنی دعاؤں سے نوازا۔

تھوڑی دیر بعد آپ نے کتاب الفقر و فخری کا درس دینا شروع کر دیا اور باب "روابط مصاحبین شیخ" پڑھنا شروع کیا۔ دورانِ درس جب آپ ان فقرات پر پہنچے کہ

"ہم نے دیکھا ہے کہ بعض نئے آنے والے ارادت مند پرانے ارادت مندوں کی محض گفتگو ہی سے متاثر ہو کر کسی شیخ کی بیعت کا تہیہ کر لیتے ہیں جو ایک نمایاں خامی کے مترادف ہے۔" تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رویّہ بہت غلط ہے۔ یہ نہیں کرنا چاہیئے کہ کسی شیخ کی مجلس میں آدمی جائے اور دیکھے کہ وہاں بڑی رنگین اور دل لبھانے والی باتیں ہوتی ہیں، تو اس کی بیعت کر لی بلکہ خود اپنا ایک معیار بنانا چاہیئے اور وہ بھی شریعت کے مطابق ہو۔ یہ معیار قطعی نہیں ہونا چاہیئے کہ میرا یہ کام ہو جائے یا فلاں افسر راضی ہو جائے تو پھر میں مانوں کہ یہ بزرگ سچے ہیں بلکہ معیار کوئی علمی بنیاد پر ہو اور جب وہ بزرگ معیار پر پورا اُترے تو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے تاکہ راہِ عرفاں کی طرف سچے اور پختہ یقین سے گامزن ہو سکے۔

ان کلمات کے بعد آپ نے دوبارہ درس دینا شروع کیا۔ دورانِ درس جب ان کلمات پر پہنچے کہ

"میدانِ طریقت میں قدم رکھنے سے پہلے شیخ کے متعلق ان شرائط کو معلوم کرے، جو سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ ذکر کی گئی ہیں۔ پھر جب وہ دیکھے کہ کوئی اللہ کا بندہ ان حقائق وخصائص کی موجودگی میں اس کی دستگیری کرنے کے لئے سامنے موجود ہے، تو تلاشِ حق کے پیشِ نظر وہیں زانوئے ادب تہ کر دے۔" تو آپ نے فرمایا۔ آپ اسے سمجھے ہیں۔ فقیر نے عرض کی۔ اگر آپ ان کلمات کی تفریح فرما دیں،

طالب صادق کی اصلاح احوال کی خاطر یا جو خطرات اس کے دل پر وارد ہوتے ہیں. اس کی اصلاح کی خاطر ان خطرات سے اس کے شیخ کو آگاہی فرما دیتے ہیں تاکہ طالب خاطر جمع رکھے اور اس راستے کے خطرات کو عبور کرتا چلا جائے اور بھائی مریض جب تک ڈاکٹر کو اپنے پورے احوال سے مطلع نہ رکھے گا۔ ڈاکٹر کیسے اس کے علاج میں کماحقہٗ پورا اترے گا۔ اہلِ صفا کے احوال اور ان کے قلب پر خطرات کی آمد و رفت اور اصلاح کے متعلق آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔

آپ نے بیان فرمایا کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز نے کشف المحجوب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو سعید فضل اللہ قدس سرہٗ نیشاپور سے شہر طوس جا رہے تھے. سخت سردی تھی۔ ایک درویش جو آپ کے ہمراہ تھے۔ کہتے ہیں کہ راستے میں سخت سردی کی وجہ سے موزوں کے اندر بھی شیخ رحمتہ اللہ کے پاؤں مبارک سردی محسوس کرنے لگے، تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اپنی کمر کی پیٹی کے دو ٹکڑے کر کے پائے مبارک پر لپیٹ دوں۔ چنانچہ وہ بہت عمدہ تھی۔ اس لئے میرے دل نے اسے کاٹنا گوارہ نہ کیا۔ جب ہم شہر طوس پہنچ گئے، تو ایک دن محفل میں، میں نے عرض کیا۔ حضور وساوسِ شیطانی اور الہام میں کیا فرق ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ الہام یہ ہے جو دورانِ سفر تجھے کہا گیا تھا کہ کمر کی پیٹی کاٹ کر میرے پاؤں میں باندھ دوں اور جس نے تجھے روکا، وہ وسواس شیطانی ہے، تو گویا اللہ تعالٰے طالبانِ حق کی اصلاح کے لئے ان کے شیخ کو بعض امور میں مطلع رکھتا ہے۔ یہ سب رب تعالٰے جل وعلا شانہٗ کی نوازش و مہربانی ہے۔ باقی رہا پیر کو اپنی تکالیف سے آگاہ کرنا، تو یہ ضروری ہے مگر ان کا دُور ہو جانا یہ لازمی ہیں۔ کم از کم اپنے شیخ کے متعلق میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ انھوں نے کوئی بات کہی اور وہ ضرور ویسے ہی ہو بلکہ میں اس کام کے نہ ہونے کو اپنے معاملات میں نقص کا ہونا قرار دیتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ یا تو یہ ترقی کا باعث ہے یا تنزلی کا۔ میرے شیخ قطب عالم قدس سرہٗ اللہ تعالٰے آپ کی قبر نور سے منور فرمائے فرمایا کرتے تھے۔ بیٹا نذیر! کسی کی کیا مجال کہ وہ کسی کام کے ہونے کے متعلق کہے کہ ایسا ہو گا اور ویسا ہی ہو۔ وہ کوئی خدا نہیں ہے اور سچ پوچھیں۔ میں نے جب بھی اسے آزمایا۔ آپ کا یہ قول حرف آخر ثابت ہوا۔ یعنی جن لوگوں کے متعلق سنا ہوا تھا کہ یہ جو بات کہتے ہیں ویسے

تو مناسب ہو گا۔

اللہ تعالےٰ آپ کو اپنے فضل و عطا سے نوازے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ شیخ طریقت کے متعلق خوب چھان بین کرو۔ پھر اس کی بیعت کرو۔ پنجابی میں ایک مثال ہے۔ " پانی پیو پُن کے تے پیر بھڑو چن کے "۔ اگر آپ کے پاس کچھ روپے ہوں اور کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ جعلی ہیں، تو کیا آپ بغیر سوچے سمجھیں پھینک دیں گے۔ یقیناً نہیں۔ آپ انہیں پھینکنے یا رکھنے سے پیشتر ایک دو اور دوستوں سے مشورہ ضرور کریں گے تو کیا سلسلہ طریقت یعنی علمِ روحانیت سیکھنے کے لئے یا جس کی غلامی کا قلادہ آپ تمام عمر کے لئے پہننے جا رہے ہیں۔ اس کے متعلق پوچھنا یا سوچنا ان روپوں سے بھی گیا گزرا معاملہ ہے۔ دوسرا جس کی طرف کوئی طالب رجوع کرے۔ اسے بھی چاہیئے کہ طالب کا اشتیاق دیکھ کر اس کا وقت ضائع نہ کرے اگر تو اسے راہِ رشد کی ہدائیت دے سکتا ہے، تو دے ورنہ اسے چھٹی دے تاکہ وہ اپنے ذوق کی تسکین کا سامان کہیں اور ڈھونڈ لے۔ ایسے مشتاق نوجوان جب کسی جعلی پیر سے متنفر ہوتے ہیں تو پھر مسجد کے قریب سے گزرنا بھی گوارا نہیں کرتے کیونکہ انھوں نے اخلاص نیت سے تلاش حق میں رجوع کیا ہوتا ہے۔ اللہ ایسے پیروں سے ہر مسلمان کو بچائے۔

اس موقع پر برادرم محمد انیس سلمہٗ تعالیٰ نے عرض کی کہ حضور کہا جاتا ہے کہ سچے شیخ پر مرید کی ہر بات عیاں ہوتی ہے تو پھر انھیں ہر بات بتانے کا حکم بھی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اللہ تعالےٰ آپ پر اپنے فضل و کرم نازل فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ برخوردار جو ایسا کہتے ہیں۔ یہ ان کی جہالت ہے۔ اگر شیخ پر ہر بات ہی عیاں ہوئی تو وہ پھر خدا ہی ہو گیا۔ دراصل ہمیں اس معاملے میں وہ رشتہ مدِنظر رکھنا چاہیئے جو نبی رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے درمیان تھا۔ کیا پیر ان سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اپنی ہر تکلیف، اپنا ہر دکھ درد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے تھے۔ اللہ ان پر حضور علیہ الصلوٰت وسلام کے صدقے آسانیاں پیدا فرما دیتے تھے۔

آپ کے سوال کے جواب میں ایک باریک نکتہ یہ بھی مدنظر رہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ

ہی ہوتی ہے۔ اگر انھوں نے میرے سامنے ایسی بات کی، تو میں نے حضرت شیخ قدس سرہٗ کا قول یاد کیا، تو صد فیصد اس میں فیل ہو گئے۔

فی زمانہ ہم پیر و مرید کے رشتے سے نابلد ہیں۔ اگر کوئی اس رشتے کے متعلق جاننا چاہتا ہے تو وہ کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف، کتاب اللمع یا حضرت شیخ کی تصنیف الفقر و فخری کا مطالعہ کر لے، اس پر عیاں ہوگا کہ طریقت کیا ہے اور روحانیت کسے کہتے ہیں۔ سلوک اور تصوّف کی کون کون سی گھاٹیاں ہیں اور کتنی کٹھن ہیں۔ معرفتِ خداوندی حاصل کرنے کے لئے کیا کیا جتن کرنے پڑتے ہیں۔ آجکل تو کمیٹی نکلوانے، دنیا افسر کو راضی رکھنا والے تعویز چند دم وغیرہ پیر کو مریدوں کی تعداد بڑھانے کے لئے کافی ہیں اور مرید بھی صرف انہیں اغراض کو پیشِ نظر رکھ کر بیعت کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے صحیح کہا ہے۔

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی

نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

تیسویں مجلس

دست بوسی کے لئے حاضر ہوا، تو گفتگو مقاماتِ فقر سے متعلق ہو رہی تھی۔ فقیر نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ خلافتِ شیوخ سے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔ اللہ تعالٰے آپ پر اپنا فضل و کرم دراز فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جن سعادت مند سالکوں کی تربیت شیخ کامل کرتا ہے۔ ان میں سے جب کوئی اپنے سلسلہ کا سلوک طے کر لیتا ہے تو اس کی استعداد کے مطابق پھر اسے خلیفہ نامزد کیا جاتا ہے تاکہ اب وہ بھی تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ سالکین کی رہنمائی کریں۔ اس سلسلے میں فقیر نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ سرکار بعض اوقات یہ بھی سننے اور پڑھنے میں آیا ہے کہ کوئی بزرگ کسی سے ملاقات کے لئے گیا تو میزبان بزرگ نے آنے والے کو خرقہ دیا یا بعض اوقات ایک شیخ سے کئی بزرگوں نے خلافت حاصل کی۔

اللہ تعالٰے آپ پر اپنے لطف و عنایات دراز فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خلافتِ

شیخ تین طرح سے موصوف ہے۔ اوّل اعزازی خلافت، جب دو شیخ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے مقاماتِ رفیعہ کو خراج عقیدت پہنچانے کے لئے خرقۂ خلافت دیا جاتا ہے۔ اس میں فقط مراتب کا خیال کیا جاتا ہے۔ دوم انتظامی خلافت، اس خلافت کا تعلق ان مریدین سے ہوتا ہے۔ جن سے سلسلے سے متعلقہ انتظامی معاملات چلوانے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کی اعزازی خلافت ہے اور سوم خلافتِ صدیقی، اس خلافت کا تعلق ان مریدین سے ہوتا ہے یا وہ ان با اخلاص مریدین کو دی جاتی ہے۔ جنھوں نے سلوک کی منازل طے کر لی ہوں اور ان میں عارفین جیسا ذوق اور عشاق جیسا جذب موجود ہو، یعنی وہ جذب و شوق کا مجسمہ ہوتے ہیں اور ان میں شیوخ سلسلہ، خصوصاً اپنے شیخ کا کامل اتباع موجود ہوتا ہے۔ اسی لئے اس خلافت کو میں نے خلافت صدیقی کا نام دیا ہے۔ وہ ایسے اوالعزم سالک ہوتے ہیں کہ ولائیت ان پر ناز کرتی ہے۔ میرے شیخ، اللہ تعالےٰ ان کی قبر نور سے منور فرمائے، فرمایا کرتے تھے کہ ولائیت کی تمنّا نہ کرو بلکہ اس راہِ الفت میں ایسے چلو کہ ولائیت تمھاری تمنا کرے۔

اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہو آپ پر، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے شیخ محترم قدس سرہٗ کے ساتھ دھرم سالہ (ہندوستان کا صحت افزا مقام) میں تھا، وہاں مجھے کچھ انکشافات ہوئے، میں نے آپ کی خدمت میں بیان کئے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نذیر تمھیں سلسلہ میں صاحب اجازت ہونے کی اطلاع کوئی اور دے گا اور میں اس وقت موجود نہیں ہوں گا۔

اس موقع پر فقیر نے آپ کی توجہ اپنے سلسلے کے صاحب اجازت بزرگوں کی طرف دلائی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میرے شیخ محترم قدس سرہٗ نے اپنے چند مریدین کو خلافت و نیابت کے لئے چنا، تو اس کی اطلاع روحانی طور پر مجھے ہو گئی۔ آپ ان دنوں اکثر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان مریدینِ با اخلاص کے نام آپ کو دیئے اور فرمایا کہ سرکارِ دو عالم علیہ الصلات والسلام کی طرف سے بھی ان ناموں پر رضامندی کا اظہار کیا گیا ہے۔ آپ نے حضرت مجدّد قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر سرکار خود اس فقیر کو ارشاد فرما دیں تو یہ فقیر کے لئے باعث افتخار ہو گا۔ چنانچہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اجازت دے دی گئی۔ ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مجھے محفل سے اٹھا کر ایک طرف لے گئے اور ارشاد فرمایا کہ نذیر

میاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جن دوستوں کے لئے اجازتِ خلافت ملی ہے، ان میں تمہارا بھی نام شامل ہے۔ میں نے آپ کی خدمت میں بعد عجز و نیاز عرض کی کہ حضور فقیر کو اس خلافت سے کوئی غرض نہیں بلکہ تمنا یہ ہے کہ جو علم آپ کے سینے میں ہے، اسے میرے سینے میں منتقل کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر میں اپنے آپ کو اس خلافت کا اہل سمجھوں گا ورنہ نہیں۔ آپ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئے اور فرمایا۔ اچھا اندر آجاؤ۔ چنانچہ میں آپ کے پیچھے واپس محفل میں آگیا۔ چند دنوں بعد آپ نے مجھے چند پگڑیاں بنوانے کے لئے حکم فرمایا۔ میں نے وہ تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ جب تمام اہتمام ہو گئے تو آپ نے اپنے مریدین کو میرے برادرِ روحانی حاجی یوسف علی کے گھر، جو لاہور کی مضافاتی بستی دھرم پورہ جسے آجکل مصطفےٰ آباد کہا جاتا ہے، اکٹھے ہونے کی دعوت دی۔ اس موقع پر آپ آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے۔ بیٹا، جو الفاظ اس محفل میں میرے شیخ قدس سرہٗ نے میرے لئے استعمال فرمائے تھے۔ وہ میرے لئے کئی خلافتوں سے افضل ہیں۔ آپ نے اس محفل میں پہلے خلافت شیخ کی غرض و غایت اور اس سے متعلقہ امور پر روشنی ڈالی اور بعد میں ان دوستوں کو پگڑیاں بندھوائیں۔ جن کا ذکر آپ نے سنا ہے کہ حضرت صاحب قبلہ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ساتویں پگڑی ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ پگڑی کیونکہ یہ جس مرید کی ہے۔ اس نے میرے پاس اسے رکھوایا ہے اور اس شخص کا تعلق حضور نبی محترم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح ہے۔ جس طرح حضرت خواجہ اویس قرنی رضؓ کا تعلق آپ کے ساتھ تھا۔ یہ فرماتے ہوئے آپ رو پڑے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دوبارہ گویا ہوئے کہ بیٹا سچ پوچھو، تو یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ لوگ مرید کرنا اور ہونا آسان سمجھتے ہیں مگر صاحب بیعت کے لئے یہ کانٹوں کی سیج ہے اور مخلص مرید کے لئے سولی پر چڑھ جانا اس سے کہیں آسان ہے۔ میرے اس استفسار پر کہ وہ پگڑی اب بھی آپ کے خاندان کے پاس ہے۔ اگر ہے تو وہ آپ کو کیوں منتقل نہیں کی جاتی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہٗ کے خاندان کے احوال اس قدر دگرگوں ہو گئے ہیں کہ کسی کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی اور دل بستگی نہیں۔ حتیٰ کہ آپ کی وہ علمی وراثت جو مریدین اور قوم و ملت کا سرمایہ ہوتا ہے۔ اس پر بھی قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ آپ

کا کتاب خانہ، جس میں کئی تفاسیر، نایاب اور تصوّف و عرفاں سے متعلق بہترین اور نایاب تصانیف موجود تھیں، وہ فروخت کر دیا گیا ہے۔ آپ کے ایک صاحبزادے نے مجھے اطلاع دی اور کئی دفعہ کہا بھی کہ آپ کی پگڑی میرے پاس ہے اور میں جلد آپ کی نذر کر دوں گا مگر نہ جانے کیا مصلحتِ وقت ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتے۔ وہ شاید یہ نہیں جانتے کہ شریعت و طریقت میں رابطۂ سلسلہ بہ سینہ کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ بعد از وصال آج تک میرے شیخ اور ان کے مرشدِ گرامی (اللہ تعالےٰ آپ دونوں کی قبروں کو نور سے منور فرمائے) کا فیضان اس طرح کا ہے کہ اس پر ایسی کئی پگڑیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ یہ تو ایک قسم رسم تھی، جو آپ نے پگڑیاں تقسیم فرما کر پوری کر دی ورنہ آپ کے تمام خلفاء اس کے محتاج نہیں تھے۔ وہ تو آپ کے صدری کو ائف سینوں سے لگائے، تبلیغ دینِ متین اور سلسلۂ سہروردیہ کی ترویج کے لئے سعی تو کر ہی رہے تھے۔

سلوکِ شیخ سے متعلق ہی آپ نے فرمایا۔ پچھلے دنوں جب میں چند دوستوں کے ساتھ حیات گڑھ گجرات، قطب عالم حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ کے روضہ انوار پر حاضر ہوا تو وہاں ایک اس طرح کا حادثہ درپیش ہوا کہ اگر آپ کی توجہ شاملِ حال نہ ہو تو کئی جانیں تلف ہو جائیں۔ ہوا یوں کہ ہم فاتحہ خوانی کے بعد مزار سے باہر کھڑے تھے۔ کئی بچے سامنے کھیت میں کھیل رہے تھے۔ میرے ایک دوست کے ہمراہ اس کے محلہ کا لڑکا بھی گیا ہوا تھا۔ اس نے گاڑی موڑ کر جب سیدھی کی تو بجائے بریک پر پاؤں رکھنے کے اس کا پاؤں ایکسیلیٹر پر آ گیا۔ اس طرح گاڑی کھڑی ہونے کے بجائے تیزی سے ان بچوں پر چڑھ گئی۔ ایک شور برپا ہوا۔ کئی دوستوں نے خود بچوں کے اوپر سے گاڑی گزرتے دیکھی مگر خداوند ذوالجلال نے میرے شیخ کی توجہ سے ان کو اس بڑے حادثہ سے محفوظ کر دیا۔ اللہ تعالےٰ کا بڑا کرم ہوا کہ تمام بچے بچ گئے۔ صرف چند ایک کو معمولی چوٹیں آئیں۔ یہ میرے شیخ کے تصرف بعد از وصال کی ایک جھلک ہے۔ خود میرے ساتھ اور میرے دوستوں کے ساتھ آپ کیا سلوک کرتے ہیں۔

آپ نے فقیر کی طرف نگاہِ التفات فرماتے ہوئے سوالیہ انداز سے فرمایا۔ آپ اسے خوب اچھی طرح جانتے ہیں

٭ سید محمد اسماعیل

مروجہ پاکستانی اقتصادی نظام اور

دینِ اسلام کے تقاضے

۱۔ حصولِ علم کے دو سرچشمے

اللہ تعالےٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا اور حضرت انسان کو اس میں اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا۔ اس کی تعلیم کے لئے ایک سرچشمہ تو خدا تعالےٰ نے انسان کے وجود میں ہی مکمل کر دیا۔ یعنی اسے حواس خمسہ سے آراستہ کیا تاکہ وہ ان سے مشاہدے کرے اور ان مشاہدات پر غور و تدبر کے لئے انسان کو دماغ عطا کیا تاکہ اس کے ذریعہ وہ مشاہدات سے حاصل شدہ معلومات کا تجزیہ کر کے ان سے نتائج اخذ کرے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ کائنات میں جو کچھ ہے اور ہو رہا ہے۔ ان کی نوعیت کیا ہے اور اگر اس مظاہرے کا کوئی مقصد ہے تو کیا ہے۔ گویا حصول علم کے لئے ایک سرچشمہ تو خدا تعالےٰ نے انسانی ڈھانچہ کے اندر ہی نصب فرما دیا۔ حصول علم کا دوسرا سرچشمہ اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف سے انسانی رشد و ہدایت کے لئے یوں جاری فرمایا کہ ان میں اپنے رسول اور نبی بھیجے۔ جن کے ذریعہ مختلف مقامات پر وقتاً فوقتاً انہیں حسن عمل کی ہدایت کی اور برے کاموں سے بچنے کی تاکید کی۔ انبیاء اور رسول خدا تعالےٰ نے انہی انسانوں میں سے منتخب فرمائے۔ جن کی اصلاح مقصود تھی۔ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور نبی آخر الزماں

٭ ریٹائرڈ چیف آڈیٹر، پی آئی ڈی سی۔ تاریخ پیدائش : ۱۵ ستمبر ۱۹۱۱ء۔

مولف : (i) رسولِ عربی اور عصرِ جدید۔ (ii)

(ii) A CRITICAL STUDY OF CAPITALISM SOCIALISM AND ISLAMIC ECONOMIC ORDER.

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلۂ نبوت کی کڑیاں ہیں۔ یہ دوسرا سرچشمہ حصول علم خدا تعالےٰ نے اس لئے نافذ فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ انسان پہلے سرچشمہ حصول علم کے ذریعے حاصل کردہ علم میں غلطی بھی کرسکتا ہے اور غلط فہمی کا شکار بھی ہوسکتا ہے۔ تکوین عالم اور وجود عالم کو کائنات میں مسلسل ہونے والی تبدیلیوں کا نتیجہ قرار دے کر ہستی باری تعالیٰ کا منکر بھی بن سکتا ہے۔ وجود کائنات کو بے مقصد جان کر نسل انسانی کے مختلف طبقات کے مابین جنگ و جدل جاری کرنے اور اسے مسلسل جاری رکھنے کا مرتکب بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت انسان نے دو عالمگیر جنگوں سے ثابت کر دکھایا۔

اللہ تعالےٰ نے انبیاء اور رسول بھیجنے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھنا مناسب سمجھا۔ جب تک اقوام عالم کے ذرائع ابلاغ محدود رہے۔ جب انسانی تمدن کے ارتقار میں وہ وقت قریب آگیا کہ کرۂ ارض کے باشندے ایک دوسرے سے مل کر اور نشر و اشاعت کے ذریعہ کو فروغ دے کر کسی کامل اور مکمل ہدایت نامہ وصول کرنے کے اہل بن گئے تو اللہ تعالےٰ نے آخری نبی کو آخری ہدایت نامہ کے ساتھ ایک ایسے ملک میں مبعوث فرمایا۔ جس کے باشندے ایک خصوصی صلاحیت کے حامل تھے۔ وہ قوم جو امّی تھی، نوشت و خواند سے عاری اور اس محرومی کی وجہ سے وہ اپنے قوت حافظہ پر مکمل اعتماد کرتی تھی۔ اپنے نسب نامے اور کارنامے نوک زبان پر جاری رکھنے کی عادی تھی۔ ان لوگوں میں خدا تعالےٰ نے ایک امّی نبی بھیجا اور اسی امّی نبی پر اپنا آخری ہدایت نامہ بشکل قرآن مجید نازل فرمایا، جو ان لوگوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کے لئے کامل و مکمل ہدایت ہے۔ اس طریق کار کو استعمال کرنے کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو قرآنِ مجید کا ان کے حافظہ کے ذریعہ تحفظ دوامی دوسرے اس کے تحفظ پر اقوام عالم کی متفقہ تصدیق حاصل کرکے اس کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت پیدا کرنا۔ چنانچہ اسلامی تعلیم کے تمام دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کرکے ہم صرف اس کی معاشیاتی تعلیم کے ذریعہ یہ واضح کریں گے کہ وہ کس قدر ہمہ گیر اور مستحکم تعلیم ہے لیکن چونکہ پاکستان اور دیگر کئی اسلامی ممالک مروجہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں مبتلا ہیں۔ اس لئے پہلے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم سرمایہ دارانہ نظام معیشت پر سیر حاصل بحث کرکے یہ معلوم کر

لیں کہ ہمیں اپنے ملک میں اسلامی معاشیات کے نفاذ کے لئے کیا کچھ کرنا ضروری ہوگا۔

۲۔ سرمایہ داری نظام معیشت کی ابتداء اور فروغ

تاریخ تمدن کے ماہرین ہمیں بتلاتے ہیں کہ چند ابتدائی معاشی اعمال کا آغاز تہذیب و تمدن کے آغاز سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ جنگل میں رہنے والے وحشی انسانوں میں ان اعمال کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ جنگلی لوگ پرندوں، چونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کی طرح فطرتاً اپنی رہائش کے لئے مٹی کے گھروندے تھوپ لیتے اور موسم خزاں میں استعمال کے لئے وافر جنگلی پھل اکٹھا رکھتے تھے بلکہ منہ کا مزہ بدلنے کے لئے وہ آپس میں مختلف اقسام کے پھلوں کا تبادلہ بھی کر لیا کرتے تھے اور جن کے ہاں خزاں میں کھانے کو کچھ نہ بچتا، وہ دوسروں کے پھل چرا لیتے، بطور بھیک مانگتے اور بطور قرض بھی طلب کر لیتے تھے۔ چونکہ قوی اور صحت مند خاندان، اپنی قوت بازو کے بھروسے سے، کمزور تر خاندانوں سے زیادہ پھلوں کا ذخیرہ کر سکتے تھے۔ وہ ایسا کر لیتے تھے اور بعد میں اس ذخیرہ میں سے کسی قدر کمزور خاندانوں کو بطور قرض دے دیا کرتے تھے۔ اسی طرح تبادلہ اجناس اور قرض کی ابتدائی شکلیں بغیر فکر و تدبر خود بخود وجود میں آگئیں اور معاشی عمل کی یہ ابتدائی اشکال وحشی اور نیم وحشی قبائل میں مدتوں جاری رہے۔ یہاں تک کہ کئی زمانے گزر گئے۔ بعد میں کچھ نیم وحشی، نیم مہذب افراد کو یہ خیال آیا کہ قرض دینے کا کوئی صلہ بھی تو ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وہ اس صلہ میں مقروض خاندان کے افراد سے اپنے گھریلو کام کاج مفت لینے لگے۔ اس طرح قیاس کیا جاتا ہے کہ سود اور بیاج کی ابتداء نیم وحشی قبائل میں رائج ہو چکی تھی۔

تبادلۂ اجناس قرض اور سود نے جب نیم مہذب قبائل میں رواج پا لیا تو کچھ عرصہ بعد تہذیب و تمدن سے روشناسی کا دور آیا۔ آہستہ آہستہ ان لوگوں نے کھیتی باڑی کا کام سیکھ لیا اور کھانے کے لئے غلہ اگانے اور دودھ پینے کے لئے مویشی پالنے لگے۔ ان اشغال کے لئے ذاتی زرعی زمینوں کی ضرورت سبھی کو لاحق ہوئی اور لوگ ندیوں اور دریاؤں کے کنارے والی زمینوں پر قبضہ جمانے لگے۔ تاریخ کے اس دور میں، ایسی زمینوں کی کمی نہ تھی۔ اس لئے کہ فن

زراعت کا آغاز ہی تو ہو رہا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی خاندان اپنی واجبی ضرورت سے زیادہ زمین پر قبضہ قائم نہ رکھ سکا۔ اس لئے کہ کاشت تو خود خاندان کے افراد ہی نے کرنی تھی جو اتنی زمین پر ہی کی جا سکتی تھی، جتنی افرادِ خاندان جوت سکتے تھے اور دوسرے خاندان بھی زمین پر قبضہ کرنے کے لئے موجود اور کوشاں تھے۔ اس طرح ابتداء میں شخصی ملکیت زمین اسی حد تک محدود رہی۔ جس حد تک خود کاشت اسے اپنے قبضہ میں رکھ سکتی تھی۔

کاشت کاری کے کاروبار کی تکمیل کے لئے زمین اور پانی کے علاوہ جن اوزاروں کی ضرورت پیدا ہوئی۔ وہ بھی تو ہر خاندان کے خود ہی بنانے تھے کیونکہ جب تک ایسے اوزاروں کی ضرورت پیدا نہیں ہوئی، کوئی بنانے والا بھی نہ تھا اور نہ ہی ان کی کوئی مارکیٹ تھی۔ اس لئے پیشہ ورانہ ضرورت کی بناء پر افرادِ خاندان میں تقسیم کار کا آغاز ہوا۔ کوئی بیٹا لوہار بنا تو کوئی بیٹا بڑھئی، کوئی کمہار بن گیا، تو کوئی جانوروں کی دیکھ بھال میں مصروف ہوا اور باقی افرادِ خاندان خالص کاشتکاری عمل میں مصروف رہے۔ اس طرح ہر خاندان کے افراد اپنی اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو ترقی دینے لگے اور حصہ رسدی زرعی پیداوار میں اضافہ کا باعث بنے لیکن زمینوں پر قبضہ اور پیداوار پر کنٹرول ان افرادِ خاندان کے ہاتھ میں ہی رہا، جو خالص کاشت کاری عمل میں مصروف تھے۔ کھانا پینا، رہنا سہنا اور تمام ضروریاتِ زندگی کی تکمیل ایک مشترکہ خاندان کے افراد کی حیثیت سے ہر ایک کی بلا شکائت ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ہر خاندان کی دو تین پشتیں اس طرح گزر گئیں اور نئی پود نے جب آنکھیں کھولیں، تو خود کو اسی ماحول میں پایا، جو اس کے والدین نے اپنے اطراف طاری کر رکھا تھا۔ اس پر قابضین زمین اور اصل کاشت کاروں کی نئی پود یہ محسوس کرنے لگی کہ لوہاروں، بڑھیوں، کمہاروں اور جانوروں کے رکھوالوں کی نئی پود ہمارے ساتھ حق ملکیت زمین و پیداوار میں برابری کی شریک کیسے ہو سکتی ہے۔ جب کہ اصل مالک زمین اور منتظمین کار ہم ہیں اور وہ ہمارے ماتحت محض کمین، کارندے اور اجیر۔ وہ بے شک حق الخدمت اجناس کی شکل میں لیں لیکن ملکیت زمین کا خیال اور ہماری ہمسری کا زعم چھوڑ دیں۔ اس طرح ہر خاندان میں پھوٹ کا آغاز ہوا۔ ایک خاندان کے لوہار فرد کا کنبہ جو پہلے اپنے ہمسایہ خاندان کے لوہار کنبے سے فنی تقاضوں کی بناء پر راہ و رسم رکھا کرتا تھا۔

اب اپنے خاندان سے منقطع ہو کر ہمسایہ خاندانوں کے لوہار کنبوں کے ساتھ رہن سہن اور شادی بیاہ کرنے پر مجبور ہو گیا اور یہی حال اطراف و اکناف کے بڑھیوں اور کمہاروں کا ہوا۔ اس طرح خونی رشتوں والے خاندان ٹوٹ کر پیشہ ورانہ یک رنگی والے خاندان پیدا ہوئے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ خاندان کی اس ادھیڑ بن کے انقلاب کا ذکر تہذیب و تمدن کے کسی مؤرخ نے نہیں کیا۔ اس انقلاب کا جسے معاشیات میں تقسیم کار کے عمل نے جنم دیا۔ اور طبقاتی درجات پیدا کر کے طبقاتی جنگ (CLASS CONFLICT) کا آغاز کیا۔

صدیاں بیت گئیں لیکن آپ آج بھی کسی گاؤں میں جا کر دیکھ لیجئے کہ اگر وہاں کے لوہار، ترکھان اور کمہار یہ کہیں کہ وہ بھی اتنے ہی خاندانی اعوان اور ملک ہیں، جتنے مالکان زمین تو لوگ انہیں پاگل قرار دے کر خاموش کر دیں گے۔

ملکیت زمین ایک فطری اور جائز خواہش تھی لیکن جب کچھ محنتی اور منظم خاندانوں نے اپنی زمینوں سے وافر دولت حاصل کر لی، تو وہ اپنے کمزور تر ہمسایہ کاشت کاروں کی زمینوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان پر زبردستی قبضہ کر کے سابقہ مالکان کو بٹائی پیداوار کی شرائط پر مجبور کر کے اپنا مزارع بنا ڈالا۔ اس طرح ظالمانہ ترکیبوں سے جب کچھ زمینداروں نے جاگیردارانہ حیثیت اختیار کر لی اور ان کی دولت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا، تو خود کاشت چھوڑ کر وہ اپنے لئے دوسری مصروفیات ڈھونڈنے لگے۔ کچھ زمینوں پر چراگاہیں بنا کر گھوڑے پالنے کے فارم بنا لئے اور نیزہ بازی، شمشیر زنی کے کرتب دکھا کر اپنی مزارعین پر مبنی چھوٹی سی رعایا کو مرعوب کرنے لگے۔ پھر ان کے نوجوان بیٹوں کو سپاہی بنا کر مختصر سی فوج بنا لی تاکہ ہم رتبہ ہمسایہ زمینداروں سے زبردستی جنگ چھیڑ کر اپنی جاگیر کو وسعت دیں۔ بارانی علاقوں میں جہاں خودرو گھاس وافر مقدار میں پیدا ہو جاتی ہے، باہمت لوگوں نے قبضہ کر کے گھوڑے اور مویشی پالنے کے فارم کھول لئے اور مویشی بیچ کر گھوڑ سوار فوج تیار کر لی تاکہ قرب و جوار کے آباد علاقوں پر زور بازو سے اپنا تسلط جما کر لوگوں کو اپنی رعایا بنا لیں اور ان سے زبردستی خراج وصول کریں۔ اس طرح گاؤں گاؤں، قریہ قریہ میں راجے اور نواب نمودار ہوئے، جو آپس میں جنگ و جدل کے ذریعہ مٹتے اور بڑھتے چلے

گئے ۔ کامیاب ہونے والے راجے مہاراج بن گئے! اور شکست کھانے والوں نے اپنے لئے کوئی اور میدان تلاش کر لیا۔ تہذیب و تمدن کے ارتقاء کی یہی ابتدائی شکلیں تھیں جن سے چھوٹی بڑی راجدھانیاں پیدا ہو گئیں۔

زرعی پیداوار کی فروخت کے لئے گاؤں کے کھلے میدان منڈیاں بن گئے اور جو لوگ ان منڈیوں سے زرعی پیداوار خرید کر قصبوں اور شہروں میں لے جا کر بیچتے، تاجر کہلائے تاجر خاندانوں نے اپنے کاروبار چاروں طرف پھیلا لئے۔ وہ صرف زرعی پیداوار ہی نہیں، ضروریات زندگی ہر چیز جو بنائی جاتی تھی، خرید کر بیچنے لگے اور دستکاروں اور کاریگروں سے مزید تیار شدہ مال کے مطالبے کرنے لگے۔ اس طرح صنعت کاری کو فروغ ہوا۔ تاجروں نے صنعت کاروں کی سست رفتاری پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ وہ خود صنعت کاری کا خام مال خرید کر کاریگروں کے گھروں میں پہنچاتے۔ جہاں کاریگروں کے بیوی بچے اس خام مال کو صنعتی پیداوار میں تبدیل کر دیتے۔ تاجر لوگ صنعت کار کو اس کی اجرت دے کر وہ مال اٹھا لیتے اور مہنگے داموں اسے منڈیوں میں بیچتے۔ اس عمل نے تجارت اور صنعت کو کافی ترقی دی اور اس کا مالی فائدہ تاجر پیشہ خاندانوں نے اٹھایا۔

تجارت اور صنعت کے اس روز افزوں اضافہ سے صدیوں قبل انسانی معاشرہ میں تبادلۂ اجناس کا جو طریقہ رائج ہوا، وہ بارٹر سسٹم کہلایا، یعنی راست تبادلۂ اجناس۔ اس بارٹر میں لوگوں کو کئی دقتیں محسوس ہونے لگیں۔ مثلاً اگر کپڑا بنانے والا کچھ کپڑا لے کر اس لئے منڈی گیا کہ وہاں سے اپنے لئے ایک پلنگ خرید لائے، تو اس کا سابقہ کسی پلنگ بیچنے والے سے نہ پڑ سکا۔ چاروں طرف دوسری اجناس ہی فروخت ہوتی نظر آئیں اور اگر اتفاق سے کوئی پلنگ بنا کر بیچنے والا پلنگ سمیت مل بھی گیا، تو اس سے اس بات پر اتفاق نہ ہو سکا کہ وہ پلنگ کے بدلے کپڑا ہی خریدے کیونکہ پلنگ ساز کو ضرورت تو زرعی اجناس کی تھی نہ کہ کپڑے کی۔ اور اگر حسن اتفاق سے اسے کپڑے ہی کی ضرورت ہوئی تھی، تو ایک پلنگ کے لئے کپڑا بنانے والا پلنگ والے کو کتنا کپڑا دے، اس پر اتفاق نہ ہو سکا اور چونکہ اسے پلنگ کی شدید ضرورت تھی۔ وہ اپنے اندازے سے بہت زیادہ کپڑا دینے پر مجبور ہو گیا! اس

تکے ہمہ گیر تقاضوں نے انسانی معاشرہ کو مجبور کردیا کہ وہ نقدی کو رواج دیں تاکہ اس نقدی کی اکائیوں کے حوالے سے تمام چیزوں کی قیمتیں معین کی جاسکیں۔ نقدی کے لئے کہتے ہیں کہ پہلے پہل کوڑیوں کا انتخاب ہوا لیکن اغلب یہ ہے کہ مختلف علاقوں میں مختلف اشیاء سے نقدی کا کام لیا گیا اور بالآخر سونے اور چاندی کے معین وزن کے ٹکڑوں نے نقدی کی پائیدار صورت اختیار کی۔ جسے پہلے تو سناروں نے اپنایا۔ پھر علاقہ کے رئیس یا حاکم اعلیٰ نے اپنے نام سے سونے چاندی کے سکے دارالضرب میں تیار کرواکر پھیلائے۔ اس طرح سونے چاندی کے بڑے سکوں اور تانبے جست کے چھوٹے سکوں کا رواج تمام عالم میں پھیل گیا۔ یہ رواج کئی صدیاں قبل سے رائج ہوچکا تھا۔ قبل مسیح سے بھی، لیکن کرنسی نوٹوں کا رواج گذشتہ چند صدیوں سے زیر استعمال ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر ہم آئندہ نظام نقود کے تحت کریں گے کیونکہ یہ نظام معیشت کا ایک اہم شعبہ ہے۔

سرمایہ دارانہ معاشی نظام نے عاملین پیداوار کو چار ارکان میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا رکن زمین ہے۔ جس کے استعمال کے معاوضہ کو کرایہ کہا جاتا ہے۔ دوسرا رکن وہ محنت کش مزدور ہے جس کی اجرت کو تنخواہ یا مزدوری کہتے ہیں۔ تیسرا رکن وہ سرمایہ ہے۔ جسے چوتھا رکن کسی سرمایہ دار سے بطور قرض لے کر اس سے اپنا کاروباری ادارہ چلاتا ہے۔ اس سرمایہ کا صلہ سود کہلاتا ہے اور چوتھا رکن وہ خود منتظم ادارہ ہے جو زمین کرایہ پر حاصل کرتا، مزدور اجرت پر فراہم کرتا، سرمایہ سود پر حاصل کرتا اور ان تینوں ارکان کے حق الخدمت کی ادائی کے بعد اس کے پاس جو وافر آمدنی بچ جاتی ہے، اسے بطور منافع اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ ان چاروں ارکان پیداوار دولت کے تفصیلی ذکر سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی اس روح رواں کا کھوج نکالا جائے جو اپنی قوتِ عاملہ کی بدولت یہ سارا سسٹم چلاتی ہے۔

۳۔ سرمایہ داری نظام کی قوّت عاملہ

سرمایہ داری نظام نجی دولت کے محور پر گھومتا ہے۔ ہر فرد اپنے خاندان کے لئے نجی

عیاری، استحصال اور دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی ہوس نظر آئے اور درمیانی حصہ میں چوری قزاقی، قتل و غارت گری، اغواء، زنا بالجبر اور تمام دوسرے مذموم کارنامے ہوں۔ جن کا بے لگام آرزو تصور کرسکتی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک حرکت، اس حرکت کا مرتکب اپنی دانست میں اپنے مفاد کے لئے موزوں سمجھ کر ہی کرتا ہے۔ فتنہ و فساد پر منتج ہونے والے ایسے مفہوم سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح کسی فلاسفر یا مفکر نے ایجاد نہیں کی مگر سیلف انٹرسٹ فی الحقیقت کوئی محرک قوت عاملہ ہے تو ہمیں اس کی تلاش انسانی جسم اور انسانی ماحول میں کرنی چاہیئے نہ کہیں اور۔

وہ انسانی محرکات عمل، جو اس کے اپنے جسم کے اندر موجود ہیں۔ ان کی نوعیت (BIOLOGICAL) بایولاجیکل ہے۔ وہ مستقل ہیں اور کسی طرح انہیں تبدیل یا فنا نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ تربیت کے ذریعہ انہیں کافی حد تک کنٹرول کیا جاسکتا ہے لیکن وہ محرکات عمل، جو انسانی ماحول کی پیداوار ہیں۔ وہ مستقل نہیں۔ ماحول میں تبدیلیوں کی بنا پر ان میں تغیر و تبدل ہوا کرتا ہے اور کسی مخصوص معاشرہ میں عوام الناس اور اہل اقتدار کے باہمی متفقہ عمل سے اس ماحول میں صحت مند انقلاب پیدا کیا جاسکتا ہے۔

انسانی جسم کی اندرونی (BIO - CHEMISTRY) بایوکیمسٹری ان محرکات عمل کو وجود میں لاتی ہے جو مستقلاً انسانی ڈھانچے میں کارفرما ہیں۔ ان کی مشینری قدرت نے ان پانچ بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے نصب کر رکھی ہے جو ہر شخص کے ذاتی اور نسلی وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ انسان کی ایسی پانچ ضرورتیں یہ ہیں۔ (۱) ہوا (۲) خوراک (۳) پانی، (۴) معتدل آب و ہوا اور (۵) تولید نسل انسانی کا وظیفہ اور ان کے پانچ محرکات عمل ہیں۔ (۱) انسانی تنفس (۲) بھوک (۳) پیاس، (۴) لباس اور مکان کے ذریعہ آب و ہوا میں اعتدال قائم رکھنا اور (۵) اختلاط جنسی کی خواہش۔ اللہ تعالےٰ نے انسانی جسم کے اندر ایسی مزید مشینیں بھی نصب فرمادی ہیں جو محسوسات، جذبات اور فکر و تدبر کے لئے اسے مطلوب تھیں۔ حواس خمسہ یعنی چھونے، چکھنے، سونگھنے، دیکھنے اور سننے کی صلاحیتیں معلومات جمع کرتی ہیں تاکہ دماغ کو ان سے مطلع رکھیں۔ دماغ ان معلومات پر غور کرکے مناسب عمل کا فیصلہ

دولت حاصل کرنے میں مصروف ہے۔ اسے اس طرح مصروف رکھنے والی قوت عاملہ کو انگریزی زبان میں (SELF - INTEREST) کہتے ہیں۔ اُردو میں آپ اسے "مفادذاتی" کہہ لیجئے۔ ماہرین علومِ معاشرت وسیاست واقتصاد نے اسے قوت عاملہ کو اتنا بدیہی اور عام فہم سمجھ لیا کہ اس پر روشنی ڈالنے والی کوئی کتاب کسی زبان میں بھی دستیاب نہیں۔ گویا اہل علم نے عیاں راچہ بیان کے مطابق ؎

عطر آنست کہ خود بوید نہ کہ عطار بگوید

پر عمل کیا۔ بریں ہم راقم الحروف نے عیاں کو عیاں تر کرنے کی غرض سے جو جدوجہد کی۔ اس کا نتیجہ پیش خدمت ہے۔

قوت عاملہ اس محرک طاقت کو کہتے ہیں جو لوگوں کو وہ مخصوص طرزِ عمل اختیار کرنے پر اکساتی ہے۔ جس پر وہ عمل پیرا ہو رہے ہیں۔ اس لئے اگر (SELF - INTREST) واقعی کوئی ایسی ہی قوت عاملہ ہے، تو لازماً اس کا سراغ انسانی جسم کے اندر یا اس ماحول میں مل جانا چاہیئے۔ جس میں انسان رہتے اور مصروف عمل ہوا کرتے ہیں۔ اس جستجو سے پہلے آیئے انگریزی لغت میں اس مرکب لفظ کا مفہوم دیکھ لیں۔ آکسفورڈ کنسائز ڈکشنری ہمیں بتلاتی ہے کہ سیلف سے مراد کسی شخص کا اپنا وجود ہے اور انٹرسٹ سے مراد دلچسپی فائدہ یا اپنی بہبود کے لئے خود غرضی کے مشاغل میں مصروف ہونا ہے۔ سیلف انٹرسٹ کے مرکب لفظ سے مراد کسی شخص کا ایسے امور میں مصروف ہونا ہے جو اس کی اپنی دانست میں اس کی دل چسپی یا فائدے کے ہوں۔ لغت کی اس وضاحت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح کسی فلاسفر، مفکر یا دانشور نے غور و فکر کے بعد ایجاد نہیں کی بلکہ عوام الناس نے ہی "خود غرضی" کے بدنما لفظ کو خوشنما جامہ پہنانے کے لئے یہ مرکب لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا ہوگا۔ جس کی وجہ سے اس کا دور رس منطقی مفہوم مبہم سا ہو کر رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ جب "مفادذاتی" ایسے عامی مفہوم کا حامل ہے۔ جسے ہر شخص نے اپنے اپنے طور پر اپنی ہی دانست کے مطابق سمجھ لیا ہو تو اس کی قوس قزح لازماً ست رنگی ہی ہوگی۔ جس کے ایک سرے پر زندہ رہنے کے لئے کشمکشِ حیات ہوگی، تو دوسرے سرے پر

کرتا اور جسم کے مختلف حصوں کو روبہ عمل ہو جانے کا حکم دیتا ہے اور ان کے عمل کو کنٹرول بھی کرتا ہے۔ اسی دوران امید و خوف کے جذبات اور غصہ و رحم کے جذبات میں سے کچھ جذبات حسب ضرورت مشتعل ہو کر کارکردگی میں اعانت کرتے ہیں اور اس طرح ان سب کے اتحاد عمل سے انسان کے بایولاجیکل تقاضوں کی تکمیل ہوا کرتی ہے۔

تہذیب و تمدن کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے مسلسل بدلنے والے ماحول نے جن نئے تقاضوں کو جنم دیا، انہیں سوشل تقاضے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ صرف ماحول ہی کی پیداوار ہیں۔ ان کا بھی ہم تفصیلی ذکر کریں گے لیکن اس سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کو انسانوں کے اس فطری تقاضے سے بھی متعارف کرائیں جو انسانوں کو جانوروں کی طرح آپس میں مل جل کر جتھے کی شکل میں رہنے پر اکساتا ہے اور جسے انگریزی زبان میں GREGARI-OUS INSTINCT کہا جاتا ہے اور جو انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء کا باعث بنا ساتھ ہی ساتھ ہم آپ کو یہ بھی بتلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ معاشرہ میں (GENIUS) جو عوام الناس کا لیڈر بن جاتا ہے، کیسے رونما ہوتا ہے۔ پہلے اس (GENIUS) کو لیجئے تمام انسانوں کے جسموں میں موجود کیمیاوی اجزاء بلحاظ نوعیت تو یکساں ہوتے ہیں لیکن انسانی GENES میں ان اجزاء کی ترتیب اور کمیت ہر فرد بشر میں مختلف ہوا کرتی ہے۔ GENES وہ خورد بینی تخلیقی ذرات ہیں جو بوقت جماع رحم مادر میں منتقل ہو کر باہم مدغم و یکجان بنتے ہوئے وجود نو کی تخلیق کا آغاز کیا کرتے ہیں۔ ہر عورت اور مرد میں اس کے (GENES) کی ساخت کا اختلاف ہی زوجین سے پیدا ہونے والی اولاد کی شخصی صلاحیتوں میں اختلاف کا باعث بنتا ہے اور نومولود کی جسمانی ساخت اور اس کی رجحان طبع کو نئے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی افراد باہم اس قدر مختلف ہوتے ہیں اور ان مختلف افراد میں جو فرد، خود کو نمایاں طور پر ممتاز کر لیتا ہے۔ وہ GENIUS کہلاتا ہے۔ آپ اسے اردو میں فرد مزید کہہ لیجئے یا فریس وحید۔ وہ اپنی نمایاں خلقی ساخت ہی کی وجہ سے خود کو نمایاں کرتا اور بآسانی عوام کا لیڈر بن جاتا ہے۔

انسانوں میں جو باہم مل جل کر اکٹھا رہنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس رجحان نے ہی

اجتماعی زندگی کا آغاز کیا اور انسانوں کو تہذیب و تمدن کا راستہ دکھلایا۔ چونکہ تمام جانوروں میں انسان اپنی ذہنی صلاحیتوں کی وجہ سے افضل المخلوقات بنا۔ مل جل کر رہنے کی فطرت نے اس کی افضلیت کو اور اجاگر کر دیا۔ اجتماعی بود و باش نے اجتماعی ضروریات کے نئے نئے سوشل تقاضوں کو جنم دیا لیکن یہ سوشل تقاضے انسان کے اندر موجود خلقی تقاضوں سے بالکل مختلف ہیں اور خلقی تقاضوں کی طرح مستحکم اور پیدار بھی نہیں بلکہ بدلتے ہوئے ماحول کی وجہ سے ان میں ردّ و بدل ہوتا رہتا ہے۔ وہ علوم، جو ان سوشل تقاضوں کی تکمیل کے لئے انسانوں نے دریافت کئے ہیں۔ اہل مغرب انہیں SOCIAL SCIENCES کہتے ہیں اور علم الاقتصاد یا (ECONOMICS) بھی انہی سوشل علوم میں سے ایک علم ہے۔ جس کا آغاز تاریخی لحاظ سے سرمایہ داری نظام کے وجود میں آنے کے بعد ہوا۔

مغربی ماہرین علم الاقتصاد ہمیں یہی بتلاتے ہیں کہ سرمایہ داری نظام کی قوت عاملہ سیلف انٹرسٹ ہی ہے۔ جس کا لغوی مفہوم تو ہم نے ڈکشنری میں دیکھ لیا لیکن اس کی حقیقت کا کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر ہم نے انسانی جسم کے اندر نصب شدہ تمام اہم مشینری کا معائنہ بھی کیا اور انسانی تخلیقی تقاضوں اور ان کی تکمیل کے عمل کو بھی دیکھ لیا لیکن سیلف انٹرسٹ کی قوت عاملہ وہاں کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ اب ہماری جستجو کے لئے صرف انسانی ماحول کا میدان ہی باقی رہ گیا ہے۔ لہٰذا آیئے ہم سب مل کر اس میدان کی بھی خاک چھان ڈالیں۔ معاشیات چونکہ ایک سوشل سائنس ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سیلف انٹرسٹ اس میدان کی کسی جھاڑی کے پیچھے اپنے شکار کی طاق میں بیٹھا ہو۔ انسانی مفادات کیا ہیں۔ ان کا پتہ چلانے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ معاشرہ میں گھوم پھر کر دیکھیں کہ لوگ کیا کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں اس سیاحت میں یہی نظر آتا ہے کہ تمام افراد تلاش زر میں مصروف ہیں اور سرمایہ دارانہ طریق تقسیم زر نے انہیں تین طبقوں میں بانٹ رکھا ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے۔ جس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے۔ جس کے پاس تھوڑا بہت تو ہے لیکن کچھ زیادہ نہیں اور تیسرا طبقہ وہ ہے جو بے انتہا دولت کا مالک بنا بیٹھا ہے۔

پہلا طبقہ جو نادار ہے اور اس کے پاس قوت بازو کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ وہ اس

کوشش یں ہے کہ محنت مزدوری یا نوکری کر کے وہ روزانہ اتنا تو کما لے کہ وہ اور اس کی بیوی بچے زندہ رہ سکیں، بھوکے نہ مر جائیں ۔ لہذا وہ اپنا سیلف انٹرسٹ اسی میں پاتا ہے کہ کہ کسی نہ کسی طرح اتنی قوت حیات روزانہ پیدا کرے کہ اپنے خاندان کو زندہ رکھ سکے۔ اگر اس کی محنت نے یاوری کی اور خوش قسمتی سے اس نے اس قدر کما لیا کہ خوردونوش کے علاوہ کچھ بچ بھی گیا، تو وہ اس پسماندہ دولت کو اپنے بیوی بچوں کے ماحول کی درستگی اور اولاد کی تعلیم و تربیت پر ہی خرچ کرے گا ۔ اس کو زیادہ دولت سمیٹنے کی حرص لاحق نہیں ہوگی۔ اس کا ذاتی مفاد ایک ستھری زندگی بسر کرنے کی حد تک محدود رہے گا ۔ شیخ چلی کے سہانے خواب دیکھنا اس کی فکر فردا سے بالاتر ہیں اور اسی وجہ سے وہ بے جا حرص و ہوس کا شکار ہونے سے بچا رہے گا۔

دوسرا طبقہ، جس کے پاس حسب ضرورت کافی مگر محدود دولت ہے۔ اس کا سیلف انٹرسٹ پہلے قلاش طبقہ کے سیلف انٹرسٹ سے مختلف ہے ۔ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ کوئی فنی مہارت حاصل کئے بغیر محض اپنی قوت بازو کے بھروسہ پر کشمکش حیات کے میدان میں کود پڑا، تو وہ خسارے میں رہے گا ۔ اس لئے وہ اپنی پونجی کے جزدی استعمال سے پہلے عام تعلیم حاصل کرتا ہے اور پھر فنون کے کسی ایک شعبے میں مہارت تامہ حاصل کرتا ہے تاکہ اس مہارت کی بناء پر اپنی خدمات کا زیادہ سے زیادہ صلہ وصول کر سکے اور باقی ماندہ دولت کی وجہ سے سودہ بازی میں کسی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرے ۔ وہ جانتا ہے کہ اسے نہ صرف اپنے طبقہ کی موجودہ معیار زندگی کو برقرار رکھنا ہے بلکہ مزید دولت کما کر اس سے بالاتر طبقہ میں جا شریک ہونا ہے ۔ اپنے سیلف انٹرسٹ کی ایسی تلقین کے زیر اثر وہ کسی مخصوص شعبہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد ایسے صنعتی میدان میں جا گھستا ہے۔ جہاں اس کی مہارت کی مانگ ہو ۔ اور وہاں جاکر معقول معاوضہ پر ملازمت کر لیتا ہے ۔ پھر وہ اپنا موجودہ معیار زندگی برقرار رکھتے ہوئے اپنی پسماندہ آمدنی کو مزید دولت کمانے کا ذریعہ بنانے کی غرض سے، مروجہ ترکیبوں میں سے کوئی ایسی ترکیب استعمال کرتا ہے کہ اس کی موجودہ ملازمت میں بھی کوئی خلل نہ پڑے اور وافر دولت اس سے کسی خاص توجہ کے مطالبہ کے بغیر بڑھتی چلی جائے ۔ مثلاً وہ سٹہ مارکیٹ میں کمپنیوں

کے حصص کی خرید و فروخت کرتا، یا اپنی بیوی بچوں کے ذریعہ دستکاری کی کوئی گھریلو صنعت چلاتا یا اپنے مکان کے گلی پر کھلنے والے کمرہ میں بیوی بچوں کو پرچون فروشی کی دکان کھول دیتا ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جو بے شمار زر و دولت کا مالک ہے۔ اس طبقہ کے افراد کو خاندانی ضروریات کی تکمیل کے لئے کوئی کام کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ فن دان ملازمین کے استعمال سے اس طبقہ نے زراعت، تجارت، صنعت اور بنک کاری میں اپنی دولت پھیلا رکھی ہے جو خود بخود پیداواری اور غیر پیداواری عوامل کے ذریعہ بڑھتی چلی جا رہی ہے لہٰذا اس طبقہ کے افراد اپنی ذاتی مصروفیت کے لئے شراب نوشی، جوا، شکار، سیر و سیاحت اور گھوڑ دوڑوں میں دلچسپی لے کر مگن رہتے ہیں۔

اگر سنجیدگی سے دیکھا جائے تو انسان کی دلچسپی کے لئے دولت کمانے کے علاوہ اور بھی کئی معقول مشاغل ہیں جو بے شمار لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے اور ان کے لئے مصروفیت فراہم کرتے ہیں۔ اسی دنیا میں ایسے بے شمار لوگ بھی بستے ہیں جو دولت کمانے میں صرف بقدرِ ضرورت مصروف رہ کر اپنی حقیقی دلچسپی کسی اور شغل میں ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ کئی لوگوں کا تجسس انہیں کائنات کے گوناگوں مظاہر میں سے کسی ایک مظہر کے تفصیلی مطالعہ میں لگا دیتا ہے وہ غور و فکر اور چھوٹے بڑے تجربات کے ذریعے یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کائنات کا آغاز کیسے ہوا اور اس میں کارکن عوامل کے پس پردہ وہ کونسی طاقت ہے، جو خطرناک حوادث کے بغیر اسے سلامت روی سے چلائے رکھتی ہے۔ پھر ایسے لوگ بھی ہیں، جو عوام الناس کے کسی نہ کسی فائدے کے لئے ایجادیں کرتے ہیں۔ اسی طرح معاشرے میں آرٹسٹ موسیقار، شعراء، سائنس دان، کاریگر فن دان، قانون دان وغیرہ ہیں جو اپنے شوقِ طبع اور علمی تجسس کی بناء پر ہی اپنے اپنے کاموں میں مگن رہتے ہیں اور اس مصروفیت کے ضمن میں حاصل شدہ آمدنی کو ذیلی حیثیت دیتے ہیں۔ اسی معاشرے میں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی جذباتی محرک کے زیر اثر آتے ہوئے اس جذباتی جذبہ کے مظاہرہ کے لئے مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ جن کی طبیعت میں نفرت

اور غصہ کے جذبات غلبہ پاتے ہیں۔ وہ انقلابی لیڈر بن جاتے ہیں۔ جن کی طبیعت میں رحم اور ہمدردی کا جذبہ غالب ہوتا ہے۔ وہ مبلغ اخلاق، مبلغ مذہب اور معاشرہ میں امن و سکون برقرار رکھنے کے پیامبر بن کر اپنی زندگی گزارنا بہتر سمجھتے ہیں۔

ہم نے انسانی معاشرہ میں مصروف عمل تمام قسم افراد کا معائنہ کر کے دیکھ لیا کہ ہمیں نہ تو انسانی جسم کے اندر سلف انٹرسٹ کا محرک عامل نظر آیا اور نہ ہی معاشرہ کے خارجی ماحول میں اس کا مصدر اور منبع دکھائی دیا۔ جس کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سیلف انٹرسٹ ایک ایسا اصطلاحی حربہ ہے، جسے سرمایہ دارانہ نظام نے اپنی خودغرضانہ عریاں استحصالی طریقوں کو مستور کرنے کے لئے ایجاد کر رکھا ہے اور جس کا مظاہرہ تو سرمایہ دارانہ نظام کے مروجہ طریقہ کار میں دکھائی دیتا ہے لیکن اس کی تخلیقی حقیقت سوائے خودغرضی کے اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ سرمایہ داری نظام چونکہ ایک خودرو جنگلی پودے کی طرح از خود پیدا بھی ہوا اور پلا بھی، اسی لئے فرد کی اپنی مرضی کے مطابق ہی اس نے بلند و بالا ہونا تھا ہر فرد اپنے مفاد ہی کو دوسروں کے مفاد پر ترجیح دیتا ہے۔ اسی لئے اس کا نام سیلف انٹرسٹ پڑ گیا۔ معاشرہ کی بدقسمتی یہ رہی کہ اپنی ذات کے علاوہ معاشرے میں جو دوسرے افراد ہیں اور جن کے مفاد کی حفاظت معاشرہ کے ذمہ ہونی چاہیئے تھی۔ اس کی طرف کسی ماہر علم الاقتصاد نے اس وقت تک توجہ نہیں، جب تک کہ خودغرضی کا پودا ایک تن آور درخت بن کر اپنے سایۂ عاطفت میں اقوام عالم کو پناہ دینے لگ گیا۔ یہی وجہ تھی کہ کارل مارکس جو جو سرمایہ دارانہ نظام کا سخت ترین دشمن بنا۔ اپنی تحقیق و مطالعہ سے یہ بخوبی سمجھ چکا تھا کہ اس نظام کی بیخ کنی کے لئے اس نظام پر تیر چلانے کے لئے اس کے رکھوالوں کو نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔

الغرض ارتقاء نظام سرمایہ داری کے ابتدائی دور میں برہنہ خودغرضی کی دیوی کو ملبوس کر کے یہ تبلایا جاتا تھا کہ ایک آزاد منڈی میں تمام کاروباری افراد کے ذاتی مفادات کے عمل اور ردعمل کے نتیجہ میں، جو توازن خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ وہی تعین اقدار اشیاء کا صحیح توازن ہے جس سے مختلف اشیاء کی قیمتیں متعین ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے منڈیوں کے اقتصادی عمل پر حکومت

کی طرف سے کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں ہونی چاہیئے۔ اس تحریک عدم مداخلت کو (LASSIEZ - FAIRE) کا نام دیا گیا تھا۔ اس طرح سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کا خودرو پودا آزاد ماحول میں پرورش پا کر جوان ہوا تو اس میں استحصال کے کئی طریقے رواج پا گئے جو مظلوم طبقوں میں بے چینی کا باعث بننے لگے اور مظلومین احتجاج کرنے لگے، تو اس بے چینی اور احتجاج کو دبانے کے لئے سرمایہ دارانہ نظام میں نظریاتی معاشیات کی بناء پڑی اور ہر مروجہ عمل کی توجیہہ اور جواز کے لئے نظریے گھڑے گئے تاکہ استحصالی عمل اپنی جگہ جاری رہے اور اہل احتجاج کا منہ چرب زبانی سے بند کیا جائے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی اس نظریاتی کوشش پر ہم عنقریب مفصل تنقید پیش کریں گے لیکن اس سے قبل یہ مناسب ہوگا کہ ہمارے تجزیاتی مطالعہ نے افراد کی اقتصادی جدوجہد میں ارتقاء کی جو ترتیب ہمیں سمجھائی ہے، اس سے آپ کو بھی روشناس کر دیں۔

انسان اپنی انفرادی بقا اور بقاء نسل پر قدرت کی طرف سے مامور ہے اور اس ضمن میں وہ کس طرح جدوجہد کرے۔ اللہ تعالےٰ نے اس مقصد کے لئے انسانی ڈھانچے کے اندر اور معاشرہ کے ماحول میں تمام ضروری انتظامات مہیا فرما دیے ہیں۔ انسان کشمکش زیست میں اس لئے مصروف عمل ہوتے ہیں تاکہ وہ اکتساب زر سے اپنے تمام فطری تقاضوں کی تکمیل کے لئے سامان فراہم کریں لیکن ہر پیدا ہونے والا بچہ اپنے لئے یکساں سہولتوں والے ماحول میں پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بچہ کسی نادار قلاش گھرانے میں پیدا ہوتا ہے تو کوئی متوسط الحال گھرانے میں اور کوئی زر و جواہر کے مالکوں کے ہاں۔ اس طرح مختلف مالی ماحول میں پیدا ہونے والے بچے اپنی زندگی کا آغاز مختلف ڈگروں پر کرتے ہیں اور مختلف دشواریوں اور سہولتوں کے درمیان پرورش پا کر جوان ہوتے اور کشمکش حیات کے میدان میں آتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہمیں بتلاتا ہے۔ کہ میدان کشمکش میں کودنے والا ہر نوجوان اپنا مستقبل کیسا تعمیر کرتا ہے۔ اس کا دارومدار بڑی حد تک اس ابتدائی دولت پر ہے جو والدین اور ماحول نے اس کے لئے مہیا کی ہو۔ قلاش اور نادار والدین کی اولاد ایک جاہل مزدور بن کر زندگی کا آغاز کرتا ہے اور کمترین اجرت قبول کرنے پر فوراً آمادہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے اپنا پیٹ روزمرہ کی مزدوری ہی سے تو پالنا ہے۔ وہ

کیا کھائے گا اور کیا بچائے گا۔ اس کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اس کے آجر کے ہاتھ میں ہے۔ ایک خاص قسم کے کام پر متعین رہ کر اگر یہ مزدور خود میں کچھ فنی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے تو وہ اپنے موجودہ آجر یا کسی اور آجر کے پاس جا کر زیادہ معاوضہ طلب کر سکتا ہے ورنہ کچھ نہیں۔ لیکن ایک ایسا لڑکا جو متوسط الحال گھرانے میں پیدا ہوا ہو۔ وہ ہوش سنبھالنے کے بعد اس طرح کی مزدوری نہ خود قبول کرے گا اور نہ ہی اس کے والدین۔ اس کے والدین تو اپنے بیٹے کو تعلیم کے لئے سکول بھیجیں گے اور اگر اس نے اچھی ذہنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، تو کالج میں بھی یا کسی ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ میں تاکہ وہ کوئی ہنر حاصل کر کے اپنے لئے کوئی بہتر یا زیادہ آمدنی والا پیشہ اختیار کرے۔ قلاش لڑکے کے مقابلہ میں اس لڑکے کا رویہ اس قدر مختلف کیوں تھا۔ اس کا باعث وہ ابتدائی دولت تھی جو اس کے والدین نے اس کی تعلیم و تربیت کے لئے مختص کر دی۔ اس طرح وہ ابتدائی دولت اس کے روشن تر مستقبل کی ضامن بنی۔ یہ فن دان لڑکا بہتر مشاہرہ پا کر صاف ستھرے ماحول میں اپنی بہتر معیار زندگی برقرار رکھتے ہوئے بہت کچھ کرنے کے باوجود بہت کچھ نہیں، تو تھوڑا بہت ضرور پس انداز کرے گا، تاکہ کسی ہمسر خاندان میں شادی کر کے اور اپنے لئے علیحدہ نیا مکان بنا کر متاہل زندگی کا آغاز کرے اور اپنی ہونے والی اولاد کے بہترین مستقبل کی خوابیں دیکھے۔

اس متوسط الحال متاہل نوجوان کو اپنے سہانے خوابوں میں مصروف چھوڑ کر اگر ہم آگے بڑھیں تو ہمیں بے پناہ دولتوں کے مالکان سے سابقہ پڑے گا جو مردم شماری کے لحاظ سے تو بمشکل ملک کی پانچ فیصد آبادی ہوں گے لیکن چونکہ اس ملک کے تمام ذرائع پیداوار پر ان کا قبضہ ہوتا ہے۔ وہ ملک کی سالانہ پیداوار کا ۷۵ تا ۸۵ فیصد حصہ اپنی جیبوں میں ڈال کر ملک کی کارکن آبادی کو باقی ۱۵ یا ۲۵ فیصد پیداوار تقسیم کرنے پر قادر و مختار ہو جاتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہو پاتا ہے کہ خود رو نظام اقتصاد میں جو طریقے رواج پاتے ہیں۔ وہ افراد کے سیلف انٹرسٹ کے زیر اثر رواج پاتے ہیں۔ اور تمام ذرائع پیداوار کو ملک کے کم سے کم تر افراد کے ہاتھوں میں مرتکز کرنے پر مائل ہوتے ہیں۔ اس طرح کم سے کم تر آبادی تمام ذرائع پیداوار کی مالک بن کر من مانی تقسیم پیداوار پر قادر ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل سمجھنے کے

لئے ہمیں زراعت، تجارت، صنعت اور بینکاری کا یکے بعد دیگرے علیحدہ علیحدہ مطالعہ کرنا ہوگا اس سلسلہ میں پہلے ہم زراعت کو لیتے ہیں۔

ایک بڑا زمیندار، جو سینکڑوں ایکڑ زرعی زمین کا مالک ہے۔ وہ نہ تو خود کاشت کرتا ہے اور نہ ہی اپنی اولاد سے کاشت کراتا ہے۔ تمام کاشت اس زمین پر پشتوں سے آباد مزارعین کرتے چلے آئے ہیں جو اپنے اپنے زیر کاشت زمین میں سے حاصل شدہ پیداوار کا نصف حصہ بشکل جنس مالک زمین کو دے دیتے ہیں اور باقی نصف تمام ضروریات کاشتکاری پر اور اپنے خاندان کی ضروریات زندگی پر خرچ کرتے ہیں۔ اس طرح سینکڑوں ایکڑ زمین کا مالک اپنی ساری زمین کی نصف پیداوار بشکل اجناس محض اس لئے وصول کرتا ہے کہ وہ زمین کا مالک ہے اور ہر ایک مزارع خاندان ان چند ایکڑوں کی پیداوار کا نصف حصہ پاتا ہے۔ جن پر وہ کاشت کاری کرتا ہے۔ چونکہ مزارعین برسوں زرعی عمل میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اپنے فن میں ماہر ہو جاتے ہیں اور یہ بخوبی سمجھ جاتے ہیں کہ کیسی زمین میں کونسی اجناس بوئی جائیں۔ کہاں سبزیاں اور پھلدار درخت لگائے جائیں۔ پیدا شدہ زرعی پیداوار بشکل جنس منڈیوں میں منتقل ہوتی ہے اور اس کی باربرداری کا انتظام اپنی حد تک مزارع خود کرتا ہے اور زمیندار اپنے حصہ اجناس کی منتقلی اپنے منشی کے ذریعہ کراتا ہے۔ منڈی میں پہنچنے کے بعد اجناس زرنقد سے تبادلہ پاتی ہیں۔ مزارعین اور زمیندار اپنی اپنی اجناس کی قیمتیں لے کر منڈی سے رخصت ہوتے ہیں۔ اس زرعی طریقہ کار پر کچھ بنیادی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کہ اگر ملکیت زمین اور عمل کاشت کاری دو مختلف لوگوں کے درمیان ہو تو کرایہ زمین کیا ہونا چاہیئے؟ کیا بلحاظ رقبہ و نوعیت زمین کرایہ نقدی کی شکل میں معین کرنا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟ اسے پیداوار سے منسلک کیوں کیا جائے جبکہ مقدار پیداوار کو زمین سے نہیں بلکہ کاشت کار کے علم، عمل اور اس مصرف زر سے ہے، جو اچھے بیج، کھاد اور کرم کش ادویات پر ہوتی ہے۔ پیداوار کو بٹائی پر تقسیم کرنے کے عمل کو تو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔ رسول پاکؐ نے اسے سود قرار دیا ہے اور انصاف بھی اس طریقہ کار کا خاتمہ چاہتا ہے۔ بریں ہم جب تک متبادل خود کاشت کا طریقہ جاری نہیں ہو پاتا، اس وقت تک تو مزارعت کو مجبوراً قبول کرنا ہی پڑے گا لیکن اگر کسی ملک کے

برسراقتدار طبقہ نے فلاحی مملکت قائم کرنے کی غرض سے بٹائی کی رسم بد کو ختم کرنے اور خودکاشت کو رائج کرنے کا فیصلہ کیا، تو کیا ہوگا۔ یہی کہ زمیندار طبقہ اس حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا کیونکہ اسی استحصالی حربہ کے ذریعہ سے ہی تو زمیندار طبقہ اس قدر دولت مند بن چکا ہے کہ اس نے سیاست کو بھی اپنے گھر کی لونڈی بنا رکھا ہے۔

آئیے اب سرمایہ داری نظام کے تاجر پیشہ طبقہ سے ملاقات کریں۔ اپنی مصروفیت کار کے لحاظ سے یہ طبقہ دو گروہوں میں منقسم ہے۔ ایک گروہ تھوک فروش کہلاتا ہے جو پیداوار کو اس کے مرکز پیدائش سے حاصل کر کے تھوک منڈیوں میں لے جا کر رکھتا اور وہیں اسے پرچون فروش تاجروں کو تھوک قیمت پر بیچا کرتا ہے۔ دوسرا گروہ جو پرچون فروش کہلاتا ہے وہ تھوک منڈیوں سے مال خریدتا ہے اور اپنی اپنی پرچون فروشوں کی دکانوں میں لے جا کر اسے عوام کے ہاتھ پرچون قیمتوں پر بیچا کرتا ہے۔ تاجر پیشہ لوگوں کا ان دو گروہوں میں بٹنا تجارتی کاروبار کی سہولت کے مدنظر ناگزیر تو ہے لیکن اس طرح عوام الناس تک وہ مال پہنچتے پہنچتے دوہرے منافعوں کا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک وہ منافع، جو تھوک فروش اس پر وصول کرتا ہے اور دوسرا وہ منافع جو پرچون فروش اس پر وصول کرتا ہے۔ مال زرعی پیداوار کی شکل میں ہو یا صنعتی پیداوار کی شکل میں اس مال کو استعمال کرنے والے اس دوہرے منافع کا بوجھ برداشت کرنے پر مجبور ہیں۔ عموماً صنعتی کارخانوں کے مالکان خود اپنی گھریلو تھوک فروش ایجنسیاں بنا کر تھوک فروشی کا منافع خود کھا جاتے ہیں لیکن زرعی پیداوار کی تھوک فروشی تھوک منڈی کے کارکن ہی وصول کرتے ہیں، جو آڑھتی بھی کہلاتے ہیں لیکن درحقیقت تجارت پیشہ کے پہلے گروہ کے ہی افراد ہوتے ہیں۔ اپنی ذاتی منفعت کے لئے تجارت پیشہ افراد نے جن غیر اخلاقی طریقوں کو رائج کیا۔ وہ ہیں ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور سمگلنگ اور ان مذموم طریقوں کے انسداد کے لئے حکومتیں قوانین بناتی اور مجرموں کو سزائیں دیا کرتی ہیں۔

تیسرا طبقہ صنعتی کارخانہ داروں کا ہے جو ملکی اور غیر ملکی خام مال خرید کر صنعت و ہنرمندی کے ذریعہ اسے مفید مصنوعات میں تبدیل کرتا ہے۔ ہر ملک میں یہ طبقہ ملکی صنعتی ترقی کی قابل قدر

خدمت انجام دیتا ہے لیکن جن معیوب حرکات کا یہ طبقہ مرتکب ہوتا ہے ۔ وہ ہیں مزدوروں اور کاریگروں کا استحصال، گراں فروشی کے ذریعہ عوام کا استحصال اور ٹیکسوں کی عدم ادائی کے ہتھکنڈوں کے ذریعے حکومت کو اس کے جائز واجبات سے محروم کرنا۔

چوتھا طبقہ ان سرمایہ دار لوگوں کا ہے جو اپنا سرمایہ خود زرعی، تجارتی اور صنعتی کاموں میں استعمال کرنے کی بجائے اسے ان تینوں طبقات میں سے ہر ایک طبقہ کو سودی قرضوں کی شکل میں دیتا ہے اور اپنی اس اعانت کا معاوضہ سود کی شکل میں وصول کرتا ہے ۔ اس طرح یہ طبقہ باقی تینوں طبقوں کا بھی استحصال کرتا ہے اور ان کے ذریعے ملک کے عوام الناس کا بھی ۔ گویا اس طبقہ کی کارکردگی استحصالی ہتھکنڈوں کی وہ بدترین صورت اختیار کر لیتی ہے ۔ جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے ۔

اس طبقاتی تقسیم کے ذکر سے ہمارا مقصد یہ بتلانا تھا کہ ہر ملک کے معاشرہ میں تمام انسانی افراد تین طبقات میں بٹے ہوئے ہیں ۔ پہلا قلاش و نادار طبقہ ، دوسرا تھوڑی دولت رکھنے والا طبقہ اور تیسرا بے پناہ دولت رکھنے والا طبقہ اور ان تینوں طبقات کے افراد کی جدوجہد کسب زر میں کامیابی کا دارومدار اس ابتدائی دولت پر ہے جو کشمکش حیات میں مبتلا ہونے سے قبل ان افراد کے مصرف کے لئے موجود ہو تاکہ اس کے استعمال سے متعلقہ فرد یا افراد خود کو تیار کر پائیں ۔ یہی وجہ ہے کہ قلاش و نادار طبقہ کے افراد اس ابتدائی دولت سے محرومی کی بنا پر اپنا پیٹ پالنے کے لئے کسی تیاری کے بغیر کم سے کم اجرت قبول کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں اور اپنی ساری عمر کی محنت و مزدوری سے صرف ایک صاف ستھری زندگی بسر کرنے کا انتظام کر سکتے ہیں اور کچھ پس انداز نہیں کر پاتے لیکن قدرے دولت رکھنے والے افراد اتنے مجبور نہیں وہ کچھ تعلیم اور کوئی ہنر سیکھنے کے بعد ہی کشمکش حیات میں کودنے کی سوچتے ہیں ۔ اس سے قبل نہیں ۔ ان کی ابتدائی دولت انہیں اس طرح مسلح کرنے کے کام آتی ہے اور اس تیاری کے بعد وہ بہت کچھ دولت کما سکتے ہیں اور اپنا معیار زندگی برقرار رکھتے ہوئے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے مزید سہولتیں بھی مہیا کر لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ بے انتہا دولت کبھی نہیں کما پاتے ۔ بے انتہا دولت انہی لوگوں کی اولاد کو میسر ہے جو ذرائع پیداوار کے کسی ایک یا زیادہ ذریعہ

پر پہلے سے ہی قابض ہیں اور ان کی بے انتہا دولت کا وجود اور بقاء جن ہتھکنڈوں پر منحصر ہے ۔ وہ سب کے سب انصاف کے تقاضوں کے ہاں مذموم اور اسلامی تعلیم کے ہاں مکروہ اور حرام ہیں کیونکہ وہ صحت مند معاشرہ کی تباہی کا باعث بنا کرتے ہیں ۔

آئیے اب ہم سرمایہ دارانہ نظام کی نظریاتی بحث کی طرف رجوع کریں ۔ اس نظریاتی بحث کا آغاز سرمایہ دارانہ نظام عموماً طلب، رسد اور قیمت سے کیا کرتا ہے ۔

(جاری ہے)

بقیہ الفاظ و معانی

قابل اور دوزخ سے خروج کے مستحق ہوئے ۔ اسی طرح عشق مجازی ہی ہمیں عشقِ حقیقی تک رہنمائی کرتا اور حقیقت سے مانوس کرتا ہے ۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اس امر کی تصریح ضروری ہے کہ عشق حیوانی، عشق مجازی کی اس ذیل میں ہرگز نہیں آتا، جو عشق حقیقی تک رہنمائی کرتا ہے ۔ میر ولی اللہ صاحب نے اس پر بڑی عالمانہ بحث کی ہے ۔ جس کا تخلص یوں ہے کہ عشق حیوانی شہوت و جوانی کا کھیل ہے ۔ اس کا مبداء شہوت بدنیہ اور طلبِ لذتِ حیوانیہ ہوتا ہے ۔ اس عشق کا مارا اپنے معشوق کے ظاہر یعنی اس کے رنگ و شکل اور تناسبِ اعضا پر فریفتہ ہوتا ہے جو امور بدنی ہیں ۔ وہ نفسانی لذت کا طلب گار ہوتا ہے ۔ جب عشق حرص جماع کی ہوتی ہے تو یہ عشق نہیں فسق ہے، عشق نہیں ہوس ہے ۔ اس عشق کو "عشق صوری" یا صورتوں کا عشق بھی کہا گیا ہے منکوحہ مرد و زن کو چھوڑ کر اس عشق کو ممنوع شریعت، محظور طریقت اور دور از حکمت قرار دیا گیا ہے ۔

عشقِ صادق، عشقِ کاذب

عشقِ صادق ، زیرِ حکمِ کبریا
عشقِ کاذب ، منکرِ راہِ ہدیٰ

عشقِ صادق داعیٔ مہر و وفا — عشقِ کاذب ، بانیٔ مکر و دغا
عشقِ صادق ، پیکرِ شرم و حیا — عشقِ کاذب ، بے حمیت ، بدنما
عشقِ صادق ، ارتقائے آگہی — عشقِ کاذب ، انتہائے گمرہی
عشقِ صادق ، سرفروشی رانشاں — عشقِ کاذب ، خوفِ مرگِ ناگہاں
عشقِ صادق ، انقلاب وانقلاب — عشقِ کاذب ، از تگ و تاز اجتناب
عشقِ صادق ، بُرجِ عفت راکلس — عشقِ کاذب ، نیست جز حرص و ہوس

عشقِ صادق ، رحمت اللعالمینؐ
عشقِ کاذب ، ہست ابلیسِ لعین

عشقِ کاذب ، ننگِ قومِ عاشقاں — زہرِ قاتل از برائے مومناں
عشقِ کاذب ، ابتر و بیدست و پا — بے حجاب و بے شعور و بے نوا
عشقِ کاذب ، بدنہاد و بدگماں — بدقماش و بداصول و بدزباں
عشقِ کاذب ، ناقص و ناپائیدار — ناصواب و نابکار و ناگوار

عشقِ صادق ، عفتِ نفسِ ناطقہ
مومناں را لاحقہ و سابقہ

عشقِ صادق ، مظہرِ اسرارِ حق — عشقِ صادق ، مرکزِ انوارِ حق
عشقِ صادق ، ذکر و فکرِ دائمی — کوششِ پیہم ، صلائے باہمی

عشقِ صادق، رحمتِ پروردگار　　　عشقِ صادق، نورِ مومن، درمزار
منتہائے عشقِ صادق، دیدِ ذات　　　دیدنش پیہم، بلا عکسِ صفات

عشقِ صادق را جزا، باغِ نعیم
عشقِ کاذب، را سزا، نارِ جحیم



عشقِ صادق زندگی را روشنی
عشقِ کاذب، قابلِ گردن زنی



افضال احمد انور

کتابوں پر نقد و نظر

• مصنفین و ناشرین ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیں۔

• جانِ جاناں (صلی اللہ علیہ وسلم)

مؤلف : پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔

انٹرنیشنل پبلی کیشنز، ۲۲۶۶ 6/19، حیدرآباد، ص ۲۴۰، ۵۰ روپے، ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۸ء۔

کتاب کا موضوع سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مؤلف کثیر التصنیف ہیں۔ ہماری نظر سے ان کی یہ پہلی تصنیف گزری ہے۔ آخر میں دی گئی آپ کی طبع شدہ تصنیفات کی فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا زیادہ تر موضوع تحقیقِ سیرت، تصوف، اقبالیات اور رضا شناسی* رہا ہے۔

کتاب سیرت کے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر گوشوں کو بڑے مبسوط انداز میں بیان کیا گیا ہے مگر کئی جگہوں پر طرزِ تحریر میں مقررانہ انداز غالب ہے۔ ابواب کی ترتیب یوں ہے۔

باب اوّل، خلقت محمدی ۔ باب دوم، ظہور قدسی ۔ باب سوم، جشن ولادت ۔ باب چہارم جشن ولادت، ابتدا اور انتہا ۔ باب پنجم: رسمیں اور عادتیں۔

• تذکرہ نقشبندیہ خیریہ

مؤلف : محمد صادق قصوری

بسعی واہتمام : حضرت خواجہ پیر ابوالخیر محمد عبداللہ جان

مکتبہ الخیریہ، مرشد آباد، پشاور، ص ۹۶۸، ۱۵۰ روپے، ستمبر ۱۹۸۸ء۔

سلوک نقشبندیہ کے کارناموں کے شایانِ شان تذکرہ مرتب

---

* احمد رضا خاں بریلوی۔

کیا گیا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلۂ نقشبندیہ خیریہ کے موجودہ شیخ حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان مدظلہ العالی تک تمام شیوخ کے اس تذکرہ کی نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ تمام شیوخِ سلسلہ کے مزارات کی تصاویر بھی شائع کی گئی ہیں جن میں حضرت عثمان غنیؓ کے مزار کی وتصویر بھی شامل ہے جو جنت البقیع کے مسمار کرنے سے پہلے اتاری گئی تھی۔

تذکرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاتا کہ مؤلف محمد صادق قصوری نے بڑی محنت سے ماخذ ڈھونڈے اور ترتیب دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت دوچند ہوگئی ہے۔ ابتدائی ۲۲۱ صفحات، جن میں تصوف چیست اور غرض وغایت، تصوف اسلام کی فکری وعملی وتحریک، اصلاحاتِ تصوف وغیرہ کا ذکر ہے۔ علیحدہ شائع ہونے کے قابل ہیں۔

مجموعۃ الاسرار (فارسی، اردو)

(مکتوبات حضرت شیخ عبدالنبی شامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، م ۱۱۴۶ھ)

سالِ کتابت: ۱۱۹۷ھ۔

مترجم : پروفیسر مشتاق احمد بھٹی۔

بسعی واہتمام : صاحبزادہ حاجی محمد سلیم شامی نقشبندی۔

حضرت شیخ عبدالنبی شامی ٹرسٹ، ۱۸۶ شادمان ۔۲، لاہور، ص ۸۲۲ + ۱۶، ۱۰۰ روپیہ، اپریل ۱۹۸۶ء۔

حضرت عبدالنبی قدس سرہٗ اپنے زمانے کے جلیل القدر شیوخ میں سے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ، آپ سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور آپ سے فیض حاصل کیا۔ (۱) آپ نومسلم تھے۔ آپ کا ابتدائی نام بھوپت رائے تھا۔ آپ کی پیدائش ۲۹ رمضان ۱۰۲۸ھ کو شام چوراسی ضلع ہوشیارپور میں ہوئی۔ شیخ عبدالوہاب قادری کے دستِ حق پرست پر اسلام لاتے۔ مدتوں ان کی صحبت میں رہے اور فیض حاصل کیا۔ پھر آپ شیخ عبداللہ سلطان پوری کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ وہ شیخ محمد شریف متقی شاہ آبادی

کے خلیفہ تھے، جو حضرت سید آدم بن اسماعیل بنوریؒ کے فیض یافتہ تھے۔ آپ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ نے فصوص الحکم کی شرح بھی لکھی۔ (۲)

کتاب کی اشاعت میں جو خصوصی دل چسپی ناشر محمد سلیم شامی نے لی ہے۔ وہ اسے دیکھتے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ کاغذ و کتابت نہایت عمدہ ہے مگر گیارہ صفحات کے اغلاط نامے کے باوجود کتابت کی غلطیاں سامنے آتی ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں انہیں دور کر دیا جائے گا۔ آئندہ اشاعت کے لئے ایک اور تجویز دینا بھی مناسب خیال کرتا ہوں کہ کتاب کے شروع کے صفحات پر جو تصاویر شائع کی گئی ہیں، انہیں شامل نہ کیا جائے کیونکہ یہ سنت نبویؐ اور تعلیمات نقشبندیہ مجددیہ کے برعکس ہے۔

آئینہ قیامت۔

تالیف:۔ محمد حسن رضا خاں حسن (۱۲۷۶ھ - ۱۳۲۶ھ)

مکتبۂ رضویہ، ۲/۲۴ سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ۔ ص ۵۴، ۱۵۴، ۲۵ روپے

حضرت محمد حسن رضا خاں حسن، حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ کے برادر اصغر تھے۔ آپ اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے باعث اپنے دور کی ایک جانی پہچانی شخصیت تھے۔ چونکہ ہم اپنے اسلاف کے جملہ کارناموں سے آگاہی حاصل نہیں کرتے، جو ایک ملی المیہ ہے۔ اس لئے آپ جیسے کئی بزرگوں کی علمیت، تالیفات اور تعلیمات سے ناواقف ہیں۔ میں اس سلسلے میں مکتبۂ رضویہ کا ذاتی طور پر شکر گزار ہوں کہ وہ اکثر و بیشتر ایسی کتابوں کو شائع کرتے ہیں جو ہمارے اور ہمارے اسلاف کے درمیان ایک درمیانی کڑی ثابت ہوتی ہیں۔ آئینہ قیامت بھی مذکورہ بالا موضوعات کے قبیل کی تصنیف ہیں۔

حضرت مولانا حسن رضا خاں، نواب مرزا داغ دہلوی (۱۹۰۵ء) کے شاگرد تھے۔ حادثۂ کربلا پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتے گا مگر سچ بات تو یہ ہے کہ یہ کتابچہ اس موضوع پر لکھی گئی کئی ضخیم کتب پر بھاری ہے اور اہل سنت کا واقعہ کربلا کے بارے ان کے عقیدے کا ترجمان بھی ہے۔

پیش لفظ عبدالستار خان نیازی صاحب نے تحریر فرمائے ہیں جو پیغامِ حیات کے نام سے شاملِ اشاعت ہیں۔ یہ خود اپنی جگہ ایک مستقل حیثیت کے حامل ہیں اور علیحدہ شائع کر کے تقسیم کرنے کے قابل ہیں کیونکہ ان میں آپ نے ایک غیر جانب دار محقق کی طرح اس سانحہ کا تاریخی اور عمرانی جائزہ لیتے ہوئے اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کو خوب عیاں کیا ہے۔

- روضۃ القیومیہ (اردو ترجمہ)

مولف: ابوالفیض کمال الدین محمد احسان مجددیؒ،

مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۲۰۱ روپے

- شرح رسالہ روحی

تصنیف: سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ۔

مترجم وشارح: ڈاکٹر کے۔ بی نسیم سروری قادری۔

(رئیس کلیۃ ادبیات شرقی پشاور یونیورسٹی)

حضرت سلطان باہو اکیڈیمی، ۷ اظفر روڈ لاہور چھاؤنی، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

- ذکرِ الٰہی۔

مصنف: ڈاکٹر کے۔ بی نسیم سروری قادری۔

پروفیسر وصدر شعبہ فارسی، پشاور یونیورسٹی۔

دربار عالیہ مرشد آباد شریف، کوہاٹ روڈ، پشاور، ص ۱۲۶، ۲۰ روپیہ۔

- تذکرہ حضرت سید صاحب تونسویؒ۔

سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کے سوانح حیات اور اقوال ومقامات۔

مصنف: مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی،

ادارہ تحقیقات افکار وتحریکاتِ ملی، ۹/۱ علی گڑھ کالونی کراچی ۷۵۸۰۰، ۴۲۳ ص، ۸۵ روپیہ۔

- **جانِ ایمان ،**

مرتبہ : پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ،

مرکزی مجلس امامِ اعظم ، مدینہ جنرل سٹور ، ای ۱۱۱/۱ ، مین بازار پیر کالونی ، والٹن روڈ ، لاہور

سلسلہ مطبوعات ۲۰ ، ۴ روپے کے ڈاک ٹکٹ ۔

- **دخترِ ملت** (اسلامی عورت)

مؤلف : شیخ الاسلام حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ ،

مرکزی مجلس امام اعظم ، لاہور ، ۴ روپے کے ڈاک ٹکٹ ۔

- **کشکولِ کلیمی** (فارسی / اردو)

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی ۔

مصحح : پروفیسر محمد اقبال ،

مجلس خادمانِ اصفیا ، قادریہ منزل ویسٹرج III راولپنڈی ، ۱۵ روپیہ ۔

- **ضیائے دل**

پروفیسر ملک محمد اقبال قادری نقشبندی مجددی ۔

مکتبہ ضیائیہ ، بوہڑ بازار ، راولپنڈی ، ص ۳۲ ، ۵ روپے ۔

- **کشف العرفان فی طراوۃ الایمان وازدیاد الایقان**

مرتبہ : ڈاکٹر نور محمد ربانی ۔

ص ۳۲۸ ۔

- **انوارِ نظامی** (تذکرہ)

مؤلفہ : سید محمد اشرف بخاری ۔

آستانہ بیت الامان گنج مغل پورہ ، لاہور ۔

- **درویش** (ماہنامہ)

مدیر : خواجہ عابد نظامی ۔

۵۴ ۔ عبدالکریم روڈ ، لاہور ، ۱۲۸ ص ، ۸ روپیہ ۔

- روحانی پیغام (ماہنامہ)

مدیر اعلیٰ : پروفیسر افتخار احمد چشتی۔

فرحت منزل چنیوٹ بازار، فیصل آباد۔

- سلسبیل (ماہنامہ)

مدیر حاجی فضل احمد۔

ادارہ تصوف، احمد پارک موہنی روڈ، لاہور، ۴۸ ص، ۵ روپیہ۔

- پیامِ صحت (سہ ماہی)

نگران : حضرت عبدالغفور عرشی قادری۔

مدیر اعلیٰ : حکیم محمد انوار الحق، مدیر محمد طاہر ظہور قریشی۔

قادریہ شفا خانہ، نواں کوٹ، موڑ سمن آباد، ملتان روڈ، لاہور۔

- ضیائے حرم (ماہنامہ)

مدیر اعلیٰ : محمد امین الحسنات شاہ، مدیر : گل محمد فیضی۔

گنج بخش روڈ لاہور، ص ۹۶، ۶ روپیہ۔

ضیاء القرآن : حضرت ضیاء الامت، سیرِ دلبراں : مدیر اعلیٰ، اسلام میں احتساب کا تصور : ڈاکٹر لیاقت علی نیازی، مزارات کو بوسہ : حضرت شیخ الاسلام، شخصیت و روحانیت : سید سلمان شاہ گیلانی، امام بخاریؒ : محمد یٰسین قصوری، غزالیِ دوراں : عبدالحق ہاشمی شاہ نعمت اللہ قادری، شفیق بریلوی، غازی عبدالقیوم شہید : رائے محمد کمال، اسلامی اصولِ قانون : جسٹس میاں محبوب احمد، بیا بمجلسِ غریب نواز : ڈاکٹر محمد اختر چیمہ، ٹھنڈا زہر : حکیم عبدالباسط چشتی۔

- نعت (ماہنامہ)

غیر مسلموں کی نعت (حصہ دوم)

مدیر : راجا رشید محمود۔

اظہر منزل، مسجد سٹریٹ ۵، نیو شالامار کالونی، ملتان روڈ لاہور، ص ۱۱۲، ۱۰ روپیہ۔

مقالات ـــــ غیر مسلموں کی عقیدت ، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق ، آب کوثر ، کوثر پردین ، آہنگِ حجاز ، پروفیسر محمد اقبال جاوید ، ہدیہ شاد ، ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق ، رہبرِ اعظم پروفیسر محمد اکرم رضا ، ہندو شعراء کا نعتیہ کلام ، شمیم اختر ، نورِ سخن ، اظہر محمود ، اعترافِ عظمتِ سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) : راجا رشید محمود ۔

نعتیں ـــــ منشی روپ کشور نامی ، جگن ناتھ پرشاد آنند ، جان رابرٹ جان ۔ لالہ رام سروپ شیدا ، منوہر لال دل ، منشی چندی پرشاد شیدا ، منشی رانجھا عاشق ہوشیارپوری ، منشی گوبند پرشاد فضا ، کیفی دہلوی ، لبشیشور پرشاد ، منور لکھنوی ، دامودر ذکی ٹھاکور ، اودھے ناتھ نشتر لکھنوی ، پنڈت پربھو دیال مصر ، بخشی سوری لال اختر امرتسری امر سنگھ عارج روپڑی ، سالک رام سالک گرداری ، چندر پرکاش جوہر بجنوری ، شیو پرشاد وہبی لکھنوی ، لالہ امر چند قیس جالندھری ۔

- ماہنامہ فیض

مدیر : قاضی محمد حمید فضلی ۔

ادارۂ فیوضاتِ مجددیہ ، خانقاہ فضلیہ شیر گڑھ ، تحصیل و ضلع مانسہرہ ۔

- ماہنامہ کتاب (تبصرہ نمبر)

مدیر : ذوالفقار احمد تابش

۱۲۶ ۔ ریواز گارڈن ، لاہور ، ص ۳۲ ۔

- ماہنامہ گنج بخش ۔

مدیر : صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد ۔

۱۲ ۔ ہجویر پارک ، بابا فرید روڈ ، لاہور ، ص ۶۴ ، ۵ روپیہ

- حیاتِ امامِ اعظمؒ ۔ (فارسی)

مؤلفہ : علامہ شبلی نعمانی ،

مترجم : محمد سعادت ،

بہ سلسلہ نشرات نمایندہ جبھہ ملی نجات افغانستان ، مقیم لاہور ، ص ۱۷۶+۸ ، مئی ۱۹۸۹ء

- **کیهان فرهنگی.**

به همت سید کمال حاج سید جوادی، سید مصطفیٰ رخ صفت، سردان شاد حسن منتظر قائم.

تهران، خیابان فردوسی، کوچهٔ شهید شاه چراغی، مؤسسه کیهان، ۱۲۰. ریال، مئی ۱۹۸۹ء.

کیهان فرهنگی نشریه ای است، ماهانه که به نشر آثار گفتار و مقالاتی در زمین فرهنگ به معنی اعم آن می پردازد.

- **کیهان اندیشه**

۲۳، فروردین و اردیبهشت ۱۳۶۸.

ایران، تهران، خیابان فردوسی، کوچه شهید شاه چراغی، آبونمان. موسسه کیهان، ص ۱۲۰، ۱۰۰ ریال.

مقالات ۱. تئوری طهارت ذاتی مطلق انسان در راستای منابع اجتهاد محمد ابراهیم جناتی ـ انواع استقراء و زمینه های عقلی و شرعی آن، علی عابدی شاهرودی ـ نقد اندیشهٔ غزالی در اثبات مبداء وجود، سید جلال الدین آشتیانی. ظهور و دوام اسلام در هند، آن ماری شیمل. ترجمه حسن لاهوتی. نقش شیعیان در سقوط عباسیان، رسول جعفریان از شیخ صفی تا شاه صفی، سید کاظم روحانی ـ ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن، محمد علوی مقدم ـ خطابه در عصر جاهلی، علی اکبر ضیائی ـ ابهام زدایی از یک مقاله، محمد تهرانی ـ امانت الٰهی در اندیشه عرفانی، حسن ذوالفقاری.

- عقائد نظامیہ مع عقیدۃ اهل المعالی فی شرح قصیدہ بدء الامالی ۔
مکتبہ الحقیقۃ بشارع دار الشفقۃ بفاتح ۵۷ استانبول ۔ ترکیا
۱۴۰۵ هجری قمری ۔
- فهرس مخطوطات مکتبۃ کوپریلی، استانبول .
۱۹۸۶، ۳ج ۔

کتابخانۂ کوپریلی در جوار محلی به نام "چنبرلی داش" روبروی مقبرۂ سلطان محمود دوم در قسمت جنوبی خیابان (دیوان یولی) واقع است محمد پاشا کوپریلی که در سال ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۶م صدر اعظم شده بود در ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱م درگذشت. کتابخانه در زمان خود محمد پاشا بنا نشده است، بلکه کوپریلی زاده فاضل احمد پاشا که در سال ۱۰۷۲ به صدارت رسیده بود، آن را ساخته و مجموعۂ قیمتی کتابهایش را بدان محل منتقل و کتابخانه را وقف کرده است. دربارۂ تاریخ بنای کتابخانه اطلاعی در دست نیست، اما چون فاضل احمد پاشا در سال ۱۰۸۷ھ / ۱۶۷۶م درگذشته پس کتابخانه قبل از تاریخ مذکور ساخته شده است. بنابراین سنگ مرمری که بالای در کتابخانه نصب شده است تاریخ تأسیس آن را ۱۰۷۲ھ نشان می دهد که اگر این تاریخ درست باشد نشان دهندۂ آغاز می باشد این کتابخانه پیوسته از طرف خاندان کوپریلی مورد حمایت قرار گرفته است و آنان این کتابخانه را با کتب خطی و آثار چاپی غنی تر می ساخته اند جمله واقفین بزرگ این خاندان حاج حافظ احمد پاشا کوپریلی زاده و محمد عاصم بیک کوپریلی زاده است ۔

فهرستهای اولیه این کتابخانه بصورت وقفنامه بوده است ۔ در قرن دوازدهم هجری فهرستی تدوین شده حاوی ۳۰ ورق که مؤلف فهرست

کتابها را به ۱۸ موضوع تقسیم کرده و به نسخ موجود قرآن مجید اشاره نکرده است. در آن جمعاً ۱۵۱۸ مجلد ثبت شده است که با توجه به وقفنامهٔ فاضل احمد پاشا حدود... اجلد کمتر است.

در قرن نوزدهم کتابخانه به ادارهٔ اوقاف منتقل شد، در زمان عبدالحمید دوم فهرستی از آن در ۲۴۸ صفحه به چاپ رسید. عنوان فهرست در اصل چنین است: کوپریلی زاده محمد پاشا کتابخانه سنده محفوظ کتب موجوده نک دفتر یدر. البته به دلیل آنکه کتابخانه را فاضل احمد پاشا تأسیس کرده، عنوان فوق درست نیست. علاوه بر آن در مورد محمد پاشا نام خانوادگی کوپریلی می بایست به کار می رفت، نه کوپریلی زاده. در این فهرست فقط به شمارهٔ کتاب، نام کتاب، تعداد مجلدات، زبان، نوع خط، نام مؤلف و تاریخ وفات وی اشاره شده و ستونی را برای درج پاره ای از ملاحظات اختصاص داده اند که در آن ستون منحصراً به مذهب بودن یا نبودن پاره ای از کتابها اشاره کرده اند. جز فهرستهای یاد شده پاره ای تحقیقات دربارهٔ کتب خطی عربی، فارسی یا ترکی کتابخانه کوپریلی به زبانهای غربی و عربی نیز جداگانه به طبع رسیده است.

در سال ۱۹۸۶م/ ۱۴۰۶ه سه تن به نامهای دکتر رمضان ششن، جواد ایزگی و جیهن آق پینار فهرستی برای کتابخانه کوپریلی زاده محمد پاشا در سه جلد تدوین کرده اند به نام: فهرس مخطوطات مکتبة کوپریلی. مؤلفان نوشته اند که قریب دو سال برای تدوین فهرست کتب خطی و چاپی موجود در هر سه بخش کتابخانه صرف وقت کرده اند.

متن کتاب به زبان عربی است. دکتر اکمل الدین احسان اوغلی مدیر کل مرکز تحقیقات تاریخ و هنر و تمدن اسلامی مقدمه ای در سه صفحه بر کتاب نوشته است. تاریخچهٔ کتابخانه و شیوهٔ کار و علائم اختصاری و

شروش، انتشاراتِ علمی و فرهنگی، ۲۸۹ ص، ۱۳۰۰ ریال۔

- **تاریخ فلسفه** (جلد هفتم) (فارسی)

اندیشۂ تانیچہ۔

مؤلف : فریدیک کاپلستون۔

ترجمہ : داریوش آستواری۔

انتشارات شرکت انتشارات علمی و فرهنگی و انتشارات سروش،

۴۹۲ ص، ۲۲۸۰ ریال۔

- **حافظ از دیدگاہ علامہ قزوینی** (فارسی)

بہ کوشش اسماعیل صارمی، تہران، انتشارات علمی، تاریخ مقدمہ ۱۳۶۷،

۵۱۲ ص، ۲۵۰ تومان۔

- **مخطوطات لبرلین** (عربی)

تالیف د : عدنان جواد الطعمۃ۔

ماربورغ جمہوریۃ المانیہ الاتحادیۃ

- **فضائل المدینۃ** (عربی)

مؤلف : ابوسعید المفضل بن محمد الجندی الیمینی المتوفی ۳۰۸ھ۔

تحقیق : محمد مطیع الحافظ۔

غزۃ ۃ یدیر، دار الفکر العربی دمشق۔

- **فہرس مخطوطات**۔

مکتبہ مسجد الحاج نصر النابلسی فی نابلس

اعداد محمود علی عطاء اللہ۔

مجمع اللغۃ العربیۃ الاردنی، عمان۔

ترجمہ و تالیف : مرتضیٰ اسعدی۔

ایران، تہران، خیابانِ فرانسہ، خیابان نظامی، شمارہ ۲، صندوق پستی ۱۱۳۶۵/۳۸۸۵۔

- **مکّہ** (فارسی)

مؤلف : محمد ہادی الامینی۔

انتشارات : دانشگاہ تہران، ۱۴۰۸ھ، ۳۷۶ص، ۱۵۰۰ ریال۔

مؤلف در این کتاب تاریخ مکّہ را از آغاز تا عصر حاضر مورد بررسی و تجزیہ و تحلیل قرار دادہ است۔ بہ مناسبت تاریخ مکّہ از بنای کعبہ و تغییر و تحولاتی کہ این بنای مقدس در طول و اعصار و قرون داشتہ است، نیز بہ تفصیل سخن گفتہ شدہ است۔

- **مجموعۃ رسائل الکرمانی** (عربی)

حجۃ العراقین احمد حمید الدین الکرمانی (م ۴۱۱ھ) ھجری،

تحقیق و تقدیم : الدکتور مصطفیٰ غالب۔

الموسسۃ الجامعیۃ للدراسات والنشر والتوزیع، بیروت ۱۴۰۳ھ۔ ۱۹۸۳م۔

- **آداب الفلاسفۃ** (عربی)

حسنین بن اسحٰق، اختصرہ محمد بن علی بن ابراھیم بن احمد بن محمد الانصاری، حققہ وقدم لہ وعلق علیہ الدکتور عبد الرحمٰن بدوی،

منشورات۔ معہد المخطوطات العربیۃ، الکویت، ۱۴۰۶ھ۔ ۱۹۸۵م۔

- **فلسفہ علوم اجتماعی** (فارسی)

مؤلف : آلن راین۔

ترجمہ : دکتر عبد الکریم۔

از نظر کتب فارسی نیز این کتابخانه حایز اهمیت فراوان است۔ چنانکہ ذیل شمارۂ ۸۶۷ کتاب درۃ التاج لغرۃ الدیباج از قطب الدین شیرازی (متوفی ۷۱۰ھ) است و در ورق اوّل این نسخہ قید شدہ است: (طالعہ المؤلف وھو قریب من السداد حررہ احوج خلق اللہ محمود بن مسعود بن المصلح شیرازی)۔ (ج ۱، ص ۴۲۴)

ت۔س۔

- **تحقیقات اسلامی۔**

(نشریۂ بنیاد دائرۃ المعارف اسلامی)

مدیر: دکتر احمد لفتراللہ پورجوادی۔

سردبیر: دکتر احمد طاہر عراقی۔

ایران، تہران، خیابان فرانسہ، خیابان نظامی،

شمارۂ ۲، صندوق پستی ۳۸۸۵/۶۵/۱۱۳، ص ۱۵۳، ۴۰۰ ریال۔

مقالات: موسوعۃ الفتوحات المکیۃ و اسلمۃ المعرفۃ الانسانیۃ عثمان یحیی ــــ بداء در کلام اسلامی و ملاحظاتی تازہ در حل آن، عباس زریاب ــــ نگاہ تازہ ای بہ منابع نقطویہ، علی رضا ذکاوتی قراگزلو ــــ روابط بازرگانی ھند و عرب، سلیمان ندوی/ ترجمۂ محمد حسین مشائخ فریدنی ــــ شعر عرفانی فارسی تا قرن نہم، جولیان بالدیک/ ترجمۂ سھراب علوی نیا ــــ

رسالۃ فی معنی المولی للشیخ المفید، تصحیح محمد مھدی نجف ــ فہرست گزیدۂ مقالات خارجی، عباس حری ــ مغربی کتاب، نامہ ھا، خبرھا۔

- **مجموعہ مقالات بلند از دائرۃ المعارف (۲)**

بیت المقدس۔

مراجع استفاده شده در تدوین فهرست در ۲۲ صفحه آمده است. مقدمه ای نیز به انگلیسی و ترکی دارد. در جلد دوم فهرست مجموعه های رسائل جای دارد. کتب وقفی حاج احمد پاشا نیز در این جلد است. در جلد سوم کتابهای موقوفه محمد عاصم بیگ فهرست شده است. فهارس گوناگون نیز در آخر این جلد است. در تدوین فهرست، شیوه فهرست چاپ شده در زمان سلطان عبدالحمید دوم تعقیب شده است و فهرست سه بخش دارد. ردیف کتابخانه رعایت شده، کتابها ذیل عنوانهای که در فهرست چاپی پیشین قبلا داشته جای گرفته است.

در ملحقهٔ پایان کتاب پس از توصیف کتب چند وقفنامه، نقشهٔ جغرافیایی، سند راه آب و ...... نیز فهرست شده است. در این فهرست سه جلدی، بجز اوراق و قفنامه ها که درون سه گونی نگهداری می شود جمعاً ۶۰۲۹ جلد کتاب چاپی و خطی توصیف شده است.

بنابه نوشتهٔ فهرست نگاران کهن ترین نسخهٔ کتابخانه کتاب المقتضب مبرد است که به خط مهلهل بن احمد، یکی از شاگردان ابن مقله در سال ۳۴۷ هـ در بغداد استنساخ شده و ابوسعید السیرافی آن را تصحیح کرده و تعلیقاتی بر آن نوشته است. دومین نسخهٔ کهن جمهرة ابن درید است که قید تملك مؤید الدین بن العلقمی وزیر آل عباس و سبط بن العجمی را دار است و در سال ۳۵۳ هـ استنساخ شده است.

بسیاری از کتب کتابخانه بنابه فراغنامه های پایان کتب بین قرنهای ۵ تا ۷ هـ استنساخ شده اند و تعداد قابل توجهی از آنها به خط مؤلف است یا از روی نسخهٔ مولفان نقل شده است. بسیاری از نسخه ها با سلسله ای به مؤلف می رسد و بسیاری دیگر به وسیلهٔ علمای آن زمان استنساخ شده و یا از دیدهٔ آنان گذشته و تصحیح شده است.



دانش ۱۷ - ۱۸

بهار و تابستان

مدیر : دکتر سید سبط حسن رضوی۔

مشاور افتخاری : دکتر سید علی رضا نقوی ۔

نشانی: رایزنی فرهنگی سفارت جمهوری اسلامی ایران خانه ۲۵ کوچه ۲۷ الف ۶/۲ - اسلام آباد ۔

مقالات فارسی : غالب کیست، دکتر علوی مقدم - صائب تبریزی، دکتر احمد تمیم داری - قاضی عبدالودود محقق نامور هند، دکتر آصفه زمانی خوشنویسان ایرانی در شبه قاره پاکستان و هند، دکتر محمود فاضل یزدی مطلق قند پارسی و بنگال، دکتر کلیم سهسرانی - منابع اولیۂ تحقیقی دربارۂ حضرت سید میر سید علی همدانی، دکتر محمد ریاض روزنامه نگاری فارسی در شبه قاره، خانم محموده هاشمی - مرثیه به اردو، سید محمد اصغر - سلطان باهو، دکتر کلثوم سید - واژه های اردو در آثار قدیم عربی، دکتر گوهر نوشاهی - عقبات همدانی، غلام حسن حیلو - فهرست راهنما ۔

مقالاتِ اُردو

خواجہ حافظ ہمارے دیس میں، دکتر سید سبط حسن رضوی - سندھی غزل پر حافظ شیرازی کے اثرات، خادم حسین تالپور - مدفن میاں نور محمد کلہوڑا، غلام محمد لاکھو - سلسلہ نوربخشیہ کے علمی آثار، سید حسن عارف - مرد و زن آئینہ یک دیگرند، خواجہ عبدالحمید عرفانی

۴۴۔ ڈاکٹر قاسم غنی، "تاریخ تصوف در اسلام" تہران ۱۳۶۲ھ، ص ۵۴۱۔

۴۵۔ "غزالی نامہ" ص ۲۱۰۔

۴۶۔ ملاحظہ، مولانا علی میاں کی "تاریخ دعوت و عزیمت" ج ۲ میں امام صاحب کے حالات امام غزالی کے احوال کی تفصیل کے لئے مولانا شبلی کی سوانح اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ ملاحظہ ہوں۔

۴۷۔ "تاریخ ادبیات در ایران" ج ۲، ص ۹۲۲۔

۴۸۔ "سبک شناسی" ج ۲، ص ۱۶۴۔

۴۹۔ "تاریخ ادبیات در ایران" ج ۲، ص ۹۲۲۔

۵۰۔ "غزالی نامہ" ص ۲۰۹۔ ۲۱۰۔

۵۱۔ "سبک شناسی" ج ۲، ص ۱۶۴۔

۵۲۔ یکم مارچ ۱۹۶۳ء کو دولت کدے واقع حمایت نگر حیدر آباد میں ملاقات کے بعد ضبط تحریر میں لائی ہوئی یادداشت کے اقتباسات۔

کا شبہ نہیں رہ جاتا ہے۔

۲۔ یہ بڑی جنگ تھی۔ جس میں کئی لاکھ لوگ مارے گئے۔ اس دور میں اتنی بڑی لڑائی کا تصور بعید از قیاس ہے، ممکن ہے تعداد میں کچھ غلطی ہو۔

مختصر یہ کہ دیوان سراجی اودھ سے متعلق اس تاریخی واقعہ کا ماخذ ہے اور شاید یہ سب سے اہم ماخذ ہے۔

حواشی

۱۔ دیوان سراجی، ص ۲۱۰، باہتمام دکتر نذیر احمد، استاد دانش گاہ علی گڑھ چاپ اول ۱۹۷۲ء/۱۳۵۱ شمسی

۲۔ طبقات ناصری ص ۴۵۳، تالیف منہاج سراج باہتمام عبدالحی حبیبی (کابل) چاپ دوم ۱۳۴۱ شمسی در دہلی بسال ۶۵۸ ھ نوشتہ شدہ۔

مکتبخانۂ سہروردیہ

تعارف

سہروردیہ فاؤنڈیشن کے زیرِ انتظام "کتابخانۂ سہروردیہ" کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ جس کی امتیازی حیثت یہ ہو گی کہ

ا- اس میں تصوفِ اسلامی اور طریقت سہروردیہ سے متعلق کُتب، رسائل اور مخطوطات کو خصوصاً جگہ دی جائے گی۔ تا کہ اِن ہر دو موضوعات پر تحقیق کرنے والے محققین کو ایک جگہ مواد مہیا کیا جا سکے۔

ب- **بصری شعبہ** اس شعبہ میں مندرجہ بالا موضوعات پر آڈیو، وڈیو کیسٹ کی تیاری شامل ہے۔ تیار شدہ کیسٹ کتابخانہ میں سنے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ انہیں گھر بھی منگوا سکتے ہیں۔(تفصیلات کے لیے خط لکھیے)

ج - سلسلہ سہروردیہ پر تحقیق کرنے والے محقق کو تمام ضروری سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

قارئین سے التماس ہے کہ مندرجہ ذیل امور میں ہماری رہنمائی فرما کر اس علمی اور تحقیقی کارِ خیر میں حصہ دار بنیں۔

۱- مندرجہ بالا ہر دو موضوعات پر نایاب کُتب کی نشاندہی فرمائیں تا کہ اُن کی عکسی نقل کتابخانہ میں مہیا کی جا سکے۔

۲- احباب جس کتاب، مخطوطے یا مقالے کی فوٹو کاپی روانہ فرمائیں گے اُس کا تمام خرچ بمعہ ڈاک، فاؤنڈیشن برداشت کرے گی۔

مندرجہ بالا امور کے بارے میں آپ کے تعاون اور آرا کا ہمیں انتظار رہے گا۔

مدیر کتابخانۂ سہروردیہ

۱۱۵- میکلوڈ روڈ لاہور-۵۲۰۰۰

فون:-۲۲۲۷۸۲

کتابیات سے متعلق اردو اور فارسی زبان مین ۱۹۸٦ سے شائع ہونے والا

تحقیقی مجلہ

کتاب شناسی

زیرادارت

سیّد عارف نوشاہی

- غیر متعارف رسائل کے مکمل متون .
- کتاب نویسی، کتاب شناسی، اور کتاب داری کے فنی مسائل
- نادر مخطوطات اور مطبوعات کی مختصر فہرستیں، یا کسی ایک کتاب کے بارےمین توضیحی و تحقیقی مطالہ .
- تازہ علمی مطبوعات پر غیر جانبدارانہ، معیاری اور علمی تبصرے .

•

ناشر

ادارہ معارفِ نوشاہیہ

٦۹ - ماڈل ٹاون، ہمک، اسلام آباد - پاکستان

ٹیلی فون: ۲۲۲۱ ۸۲۷ (۰۵۱)

دانش

فصلنامه رایزنی فرهنگی

جمهوری اسلامی ایران . اسلام آباد

- گرایشهای تازه در شعر و ادب فارسی.
- پژوهشهای پیرامون ادبیات فارسی و ایران شناسی در شبه قاره.
- مقالات دربارهٔ اشتراکات فرهنگی درمیان ایران و شبه قاره.
- نقد و معرفی کتابها مربوط به فرهنگ اسلامی، ادبیات فارسی و ایرانشناسی.

رایزنی فرهنگی

جمهوری اسلامی ایران

خانه ۲۵، کوچه ۲۷، ایف- ۲/۶

اسلام آباد ــ (پاکستان)

علم حاصل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور دوسروں سے علم کو مخفی رکھنے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ خیانت علم خیانت مال سے بڑا جرم ہے۔

حدیث (کنز العمال : ۱۰ : ۱۹۰)

سهرورد

علمی سرگرمیوں کا خبرنامہ

مندرجہ ذیل امور سے متعلقہ اطلاعات و اعلانات ہمیں ارسال فرمائیں ہم انہیں سہرورد کے علمی خبرنامے میں شائع کریں گے اس طرح آپ کی تحقیق و تدوین کا دائرہ وسیع تر ہوتا جائے گا

۱. آپ کس موضوع پر تحقیق کر رہے ہیں اس سلسلے میں آپ کو کس قسم کا تعاون درکار ہے۔

۲. مخطوطات و کتب کے تبادلے اور خریدوفروخت سے متعلقہ اعلاں اور تبصرہ کتب۔

۳. علمی سرگرمیوں سے متعلق خبریں۔

۴. مجالس مذاکرت کی منعقدہ تاریخوں کا اعلان اور ان کی رپورٹیں۔

۵. غیر ملکی علمی دوروں کی خبریں اور تاثرات۔

۶. علمی شخصیات کی پاکستان آمد کی اطلاع سرگرمیاں۔

۷. پتہ کی تبدیلی اور تبادلوں سے متعلق اعلان

ہم یہ خدمت بلا معاوضہ پیش کرتے ہیں اس کا جذبۂ محرکہ یہ ہے کہ علمی تعاون کو وسیع تر کیا جائے۔

مدیر

خبرنامہ

دو گراں قدر تصانیف کی تدوین

تاریخِ سلسلۂ سہروردیہ

سہروردیہ فاؤنڈیشن سلسلۂ سہروردیہ کی تاریخ تحقیقی روش پر لکھوانے کی خواہشمند ہے۔
اُن تمام علاقوں میں سلسلے کی تاریخ قلمبند کی جائے گی جہاں یہ سلسلہ رائج ہے۔
تاریخِ تصوّف و سلاسلِ متصوفہ پر صاحبِ نظر اربابِ علم سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں۔ اِس موضوع پر کلّی یا جزوی طور پر لکھنے والے محققین کی خدمت میں معاوضہ بھی پیش کیا جائے گا۔

مآثرِ سہروردیہ

سلسلۂ سہروردیہ کے مشائخ اور وابستگان کی تصانیف اور اِس سلسلے کے بارے میں لکھی گئی کتابوں اور مقالوں کی علیحدہ فہرست مرتّب کی جارہی ہے۔ جن احباب کے پاس ایسی کتابیں یا معلومات ہوں وہ ہماری راہنمائی فرمائیں۔

کتب کے حسبِ ذیل کوائف درکار ہیں :

۱۔ کتاب کا نام ۲۔ مصنف کا نام ۳۔ تاریخ تصنیف ۴۔ زبان ۵۔ خصوصیت
۶۔ مطبوعہ ہونے کی صورت میں ناشر، سالِ اشاعت اور تعداد صفحات ۷۔ قلمی ہونے کی صورت میں کاتب، تاریخ کتابت اور کتبخانے کا نام

مقالات کے حسبِ ذیل کوائف مطلوب ہیں :

۱۔ مقالہ نویس کا نام ۔ ۲۔ مقالے کا عنوان اور زبان ۔ ۳۔ رسالے کا نام، شمارہ اور ناشر ۔ ۴۔ صفحات کا نمبر شمار

سہروردیہ فاؤنڈیشن ۔ ۱۱۵ میکلوڈ روڈ ۔ لاہور

فہرست مطبوعات

زیر طبع

۱- فتوت نامہ (فارسی، اردو)

از حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی (رح)
مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض
(حضرت شیخ الشیوخ (رح) کے دو فتوت ناموں کے اردو ترجمے کی اولین اشاعت بمعہ فارسی متن)

۲- رشف النصائح الایمانیہ و کشف الفضائح الیونانیہ

از حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی (رح) (۶۳۲ھ)
فارسی ترجمہ: معین الدین جمال مشہور بہ مُعلّم یزدی (۷۸۹ھ)
اردو ترجمہ: غلام حسن
(حضرت شیخ الشیوخ (رح) کی فلسفہ یونانیہ کے متعلق لکھی ہوئی شہرہ آفاق تصنیف کا اولین اردو ترجمہ)

۳- الفقر و فخری (فارسی ترجمہ)

از شیخ السلام حضرت سید ابو الفیض قلندر علی سہروردی(رح)(۱۲۷۸ھ)
فارسی ترجمہ محمد نذیر رانجھا

۴- فتوت نامہ (فارسی، اردو)

از میر سید علی ہمدانی(رح) (کبروی، سہروردی)
مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض

۵- رسالہ کشف الحقایق (فارسی، اردو)

نگاشتہ: میر سید نور بخش قاینی(رح) (کبروی، سہروردی)
تصیحح و ترجمہ: غلام حسن

۶- مجلہ سہرورد

موضوعات: علوم اسلامیہ، تصوف، فلسفہ، کتابیات

سہروردیہ فاؤنڈیشن

۱۱۵- میکلوڈ روڈ، لاہور- ۵۴۰۰۰ فون:۲۲۲۷۸۲

SOHARWARD

PUBLISHED BY:
SOHARWARDYIA FOUNDATION
115 McLeod Road, Lahore-54000 Pakistan
✆ 222784

"SOHARWARD" 1' 5 McLeod Road, Lahore ✆ 222784

"سہروردیہ فاؤنڈیشن" سلسلۂ سہروردیہ کی علمی اور ادبی کاوشات پر تحقیقات کے لئے عالمِ وجود میں آئی ہے اور سلسلۂ سہروردیہ کے ٹھوس علمی کارناموں کی شایانِ شان نشر و اشاعت کے لئے منظم طریقے سے کام کرنے کا عزم رکھتی ہے۔
ہم خیال احباب مندرجہ ذیل امور میں فاؤنڈیشن سے تعاون کرسکتے ہیں۔

✿ — کم از کم دس ضخیم جلدوں میں سلسلۂ سہروردیہ کی مکمل تاریخ احوال و آثار کو جمع کرنے کا منصوبہ ——— اس سلسلۂ کتب کا کوئی مناسب اور باوقار نام آپ کے ذہن میں آئے تو ہمیں ارسال کیجئے۔
کسی سہروردی بزرگ کے حالاتِ زندگی ۔ آثار ۔ نایاب تصاویر ۔ یادداشتیں یا کلام آپ کے پاس ہوں تو ہم مجوزہ تاریخِ سلسلۂ سہروردیہ میں انہیں شکریہ کے ساتھ شائع کریں گے۔ کسی سہروردی بزرگ کی تحریر کا ترجمہ ——— اُردو انگریزی یا کسی بھی زبان میں آپ نے کر رکھا ہو یا اس سلسلے میں کوئی تحقیقی مضمون آپ نے تخلیق کیا ہو۔
تو سہروردیہ فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کے لئے ہماری خدمات حاضر ہیں۔

✿ — قدیم مخطوطاتِ سہروردیہ ——— کے زیرِ عنوان سہروردیہ سلسلے کے بزرگانِ علم و ادب کی قدیم قلمی کاوشات۔ مخطوطات اور نقوش کی ترتیب و تدوین اور اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ آپ کے پاس اگر کوئی مخطوطہ یا قدیم نقش موجود ہو تو ہمیں ارسال فرمائیں۔ آپ کا نایاب تحفہ اشاعت تک بطورِ امانت ہماری لائبریری میں رہے گا اور اشاعتی ضروریات مکمل ہونے پر شکریہ کے ساتھ ۔ بحفاظت واپس کر دیا جائے گا۔

✿ — دنیا کی کسی بھی زبان میں لکھی ہوئی اگر کوئی ایسی کتاب آپ کی نگاہ سے گزری ہو جس میں سلسلۂ سہروردیہ کو موضوع بنایا گیا ہو تو ہمیں اس کی تفصیل سے آگاہ فرمائیے۔ تاکہ اسے حاصل کر کے اس کا اردو ترجمہ طبع کروایا جا سکے۔

✿ — فاؤنڈیشن کے ترجمان جریدے "سہرورد" کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کی ضخامت میں اضافہ کر کے اسے بہت جلد ایک باقاعدہ ماہنامے کی صورت دے دی جائے گی۔ اس سلسلے میں آپ کا قلمی تعاون فاؤنڈیشن کے لئے باعثِ افتخار ہوگا۔

آپ کا تعاون ۔ مشاورت ۔ تجاویز امداد اور عطیات فاؤنڈیشن کے عظیم منصوبوں کو پایۂ تکمیل پہنچانے کے ضامن ہوں گے۔
آیئے ! اِس نیک کام میں فاؤنڈیشن کے شانہ بہ شانہ کام کیجئے۔
آپ کی راہنمائی انشاء اللہ کلیدِ کامیابی ثابت ہوگی۔

مخلص :
سید اویس علی سہروردی
سکریٹری جنرل

یکے از مطبوعاتِ
سہروردیہ فاؤنڈیشن